اطلاع

یہ کتاب مندرجہ ذیل پتہ سے مل سکتی ہے

میسرز نرائن دت اینڈ سنز

تاجرانِ کتب بیرون لوہاری دروازہ

لاہور

پبلشر

منشی رام کالڑہ - بی - اے

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے
چندیں سخنِ نغز کہ گفتے و شنودے

کلامِ محروم
حصہ سوم

یعنے

لالہ تلوک چند صاحب محروم کی عاشقانہ نظموں اور غزلوں کا دلگداز مجموعہ

اعلیٰ جذباتِ عشق

کی

تصویر دیکھنا چاہو تو حضرت محروم کی نظموں کا یہ حصہ ضرور پڑھو

معہ

"طوفانِ غم" یعنے وہ دلسوز اشعار جو محروم صاحب نے اپنی اہلیہ کی وفات پر لکھے

اس حصہ کا مسوّدہ تیار ہے۔ پبلک کی خواہش کے اندازہ کا انتظار ہے
درخواستوں کی کافی تعداد آنے پر فوراً مطبع کے حوالہ کیا جائیگا۔

نیاز التیام منشی رام کالڑہ بی۔ اے۔

اخبار پرکاش - ۱۶ پھاگن مطابق ۲۷ فروری ۱۶ء

اخباروں اور رسالوں کے ناظرین پنجاب کے نامور شاعر منشی تلوک چند جی محروم کے نام سے ناواقف نہیں ہو سکتے - کوئی مشہور اخبار اور رسالہ ایسا نہ ہوگا - جس میں ان کا کلام درج نہ ہوا (ہو) پرکاش کے رشی نمبر کی نظموں میں وہ گزشتہ چار سال سے متواتر انعام حاصل کر رہے ہیں - ان کی نظمیں بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں - لوگوں کی خواہش پر انہوں نے اپنی نظموں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے کتابی صورت میں لانے کا اہتمام کیا ہے - پہلا حصہ جو انکی مقبول عام اخلاقی - ادبی اور نیچرل نظموں کا مجموعہ چھپ کر شایع ہو گیا ہے - اس میں ۴۳ نظمیں درج ہیں - شروع میں محروم صاحب کی ہاف ٹون تصویر ناظرین کو ان کا درشن کراتی ہے - کتاب کا دیباچہ میر کرامت اللہ صاحب میر امرتسری کے زور قلم کا نتیجہ ہے - لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے - قیمت فی جلد ۱۲/

آریہ گزٹ لاہور ۱۷ فروری ۱۹۱۶ء

منشی تلوک چند صاحب محروم کا پر زور کلام آریہ گزٹ میں اکثر شایع ہوتا رہتا ہے - اب آپنے اخلاقی ادبی - اور نیچرل نظموں کا مجموعہ شایع کیا ہے - آپکو بچپن ہی سے شعر گوئی کا مذاق ہے - کلام محروم میں ہر ایک نظم اپنے رنگ میں نرالی شان رکھتی ہے - نظم بعنوان "نور جہاں کا مزار" بہت حسرتناک اور دل کے اندر ویراگ پیدا کرنے والا ہے - "خدا کی امانت" کے پڑھنے سے دل بلیوں اوچھلتا ہے - اور طبیعت میں ولولہ پیدا ہو جاتا ہے غرضیکہ ہر نظم کے اندر خاص نکتے نئے خیالات اور نئی بندش نظر آئیگی - یہ مجموعہ ایک نادر مجموعہ ہے - جس کی دل و جان سے قدر کرنی چاہیے +

بلیٹن لاہور ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء

منشی تلوک چند صاحب محروم نے حال میں ہی ادبی - اخلاقی اور نیچرل نظموں کا مجموعہ شایع کیا ہے جس میں نازک خیالی جدت طرازی اور مضمون آفرینی کا دریا بہا دیا گیا ہے - آپکی شاعری پرانی طرز کی غزل گوئی تک محدود نہیں - بلکہ اسکے مطالعہ سے ایک قسم کا قومی جذبہ دل میں پیدا ہو جاتا ہے - ہر نظم اپنے اندر خاص رنگ رکھتی ہے -

میر کرامت اللہ صاحب جیرا امرتسری نے تحریر فرمایا ہے - اس کتاب میں مندرجہ نظمیں کس قدر دلچسپ دلکش اور مفید مطلب ہیں - اور اہل ملک کو کس فراخدلی اور خندہ پیشانی سے ان کی قدردانی کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہئے - اس کے متعلق ہم "نظارہ" کے کسی آیندہ نمبر میں اظہار خیال کرینگے - اس وقت فقط اتنا لکھ دینے ہی پر اکتفا کرتے ہیں - کہ یہ کتاب ہر طرح علم دوست اصحاب کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی مستحق ہے - قیمت ۱۲ ار اور ضخامت دو سو صفحہ کے قریب ہے -

ترقی سخن بمبئی

کلام محروم } حصہ اول کی ایک جلد جناب منشی تلوک چند صاحب محروم نے ہمارے پاس بھی بھیجی ہے منشی صاحب موصوف نے اخلاقی، ادبی، علمی، ملکی، قومی، اور فطرتی جذبات کا ایک بیش بہا ذخیرہ ملک و قوم کے سامنے پیش کر کے اردو شاعری کی وسعت پر روشنی ڈالی ہے - کہاں ہیں وہ تنگ خیال شاعر جو شاعری کو غزلوں کے دائرے میں محدود دیکھ کر ملک و قوم کی خدمت سے محروم ہیں آئیں - اور حضرت محروم کا کلام دیکھکر آفرین اور اپنی تنگ خیالی پر نفریں فرماویں - کلام محروم کی لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ نہایت نفیس ہے - اور ضخامت بھی کثیر - قیمت صرف ۱۲ ار

اودھ اخبار لکھنؤ ۲۶ فروری سنہ ۱۶ء

پنجاب کے مشہور شاعر منشی تلوک چند صاحب محروم اگرچہ ابھی نوجوان ہیں - تاہم ان کا دلکش کلام مقبول عام ہے اور اردو کے بہترین رسالوں میں ممتاز جگہ پاتا ہے - حال میں آپ کا مجموعہ کلام شائع ہوا ہے - جو کلام محروم کے نام سے موسوم ہے - اور جس کی ضخامت ۲۰۸ صفحات ہے - قیمت ۱۲ ار - آغاز کلام سے پہلے میر کرامت اللہ صاحب میرا امرتسری نے ایک دیباچہ بھی درج کیا ہے جو بجائے خود دلچسپ ہے محروم صاحب کے کلام میں - فی الحقیقت جدت - آمد - بلندی خیال اور دیگر خصوصیات شعری موجود ہیں - کتاب کے ساتھ مصنف کی عکسی تصویر بھی موجود ہے - ساری کتاب دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قابل مصنف نے ستھری اور ہمہ گیر طبیعت پائی ہے -

ترجمان ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء

کلام محروم } منشی تلوک چند صاحب محروم کا نام نامی اردو رسائل کے ناظرین سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا ملک کے تمام سربرآوردہ رسالوں میں ان کا پاکیزہ کلام گاہ بگاہ چھپتا رہا ہے۔
کلام محروم (حصہ اول) میں انہوں نے اپنی متعدد اخلاقی۔ ادبی اور نیچرل نظموں کو یکجا کیا ہے۔ جن میں سے اکثر ایسی ہیں کہ پہلے مختلف رسائل میں چھپکر مقبول انام ہو چکی ہیں۔ کتاب کے شروع میں میر کرامت اللہ صاحب امرتسری نے ایک نہایت دلچسپ تمہید لکھی ہے۔ جس کے دوران میں انہوں نے اردو شاعری کی مختلف منازل کا ذکر کرنے کے بعد ادب اردو کی ان خدمات کی تاریخ لکھی ہے "جو زندہ دلان" پنجاب کی طرف سے سرانجام دی گئی ہیں۔ تمہید کے آخری حصہ میں محروم تخلص کے چار شعرا کے مختصر حالات زندگی بھی قلمبند کئے گئے ہیں۔ کلام محروم میں منشی تلوک چند صاحب کی بہت سی اوریجنل نظموں کے علاوہ کئی ایک انگریزی نظموں کے تراجم بھی ہیں۔ جو ناظرین "ترجمان" کے لئے خاص دلچسپی کا موجب ہونگے۔ خاتمہ پر اس صدمہ کی یاد میں جو حضرت محروم کو پچھلے دنوں اپنی اہلیہ کے بیوقت انتقال کی بدولت اٹھانا پڑا ہے۔ "اشک حسرت" "دردناک منظر" اور "کسی کے پھول" کے عنوان سے تین ماتمی نظمیں بھی درج ہیں۔ جن میں سے اول الذکر "ترجمان" کے جنوری نمبر میں ہدیہ ناظرین ہو چکی ہیں۔ بحیثیت کلی یہ کتاب نہایت دلچسپ اور اس قابل ہے۔ کہ ادب اردو کی ترقی سے ہمدردی رکھنے والے اصحاب کی لائبریری کی زینت ثابت ہو۔

نظارہ لاہور مارچ ۱۹۱۶ء

کلام محروم } نئے دور کے ہندو شاعروں میں منشی تلوک چند صاحب محروم نے خاصہ نام پیدا کیا ہے۔ پنجاب کے نامور اخباروں اور صوبجات متحدہ کے مشہور رسالوں میں آپ کا کلام نہایت شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ آپکی نظمیں عموماً مفید مطالب خیالات سے پر ہوتی ہیں۔ آپ کا طرز بیان نہایت سلیس۔ عام فہم اور دلکش ہے۔ حال ہی میں آپ نے اپنی متعدد متفرق۔ اخلاقی۔ ادبی اور نیچرل نظموں کا مجموعہ شائع کیا ہے جس کو دلچسپ اور پر از معلومات دیباچہ پنجاب کے لائق اور اہل قلم

کی شاعری کا اصلی رنگ ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کے لئے اصل مجموعہ کا مطالعہ ضروری ہے جو بہر صورت ادبی و اخلاقی فوائد سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔ اسکی ضخامت قریباً ۱۶۰ صفحات کی ہے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی، ترتیب مضامین، ہر پہلو سے کتاب مکمل ہے۔ آخر میں مشاہیر ملک مثلاً حضرت اکبر لسان العصر، حضرت اقبال، مہر دہلوی۔ مولانا خواجہ حسن نظامی وغیرہم کی آرا شامل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی قابلیت اور سخنگوئی کے متعلق یہ اکابر کیسا بلند خیال رکھتے ہیں۔ آغاز میں مولوی میر کرامت اللہ صاحب بیرام تسری کے قلم سے ایک دیباچہ ہے۔ جو بجائے خود ایک دلچسپی کی چیز ہے۔ میر صاحب نے اردو شاعری کی تاریخ بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ ازمنۂ سابقہ میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں اردو زبان کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آپ نے ثبوت میں اُن شعراء کے نام بھی گنا دیئے ہیں جن کا نام اور کام اُن کی اردو شاعری کی بدولت آجتک زندہ اور روشن ہے۔ اُسی کے ساتھ ان کا ذہن قدرتی طور پر موجودہ تنگ خیالی و تعصب کی طرف حسرت و افسوس کے ساتھ منتقل ہوا ہے جو آجکل کئی وجوہ سے افراد ملک کے بعض طبقوں میں اردو کی طرف سے پایا جاتا ہے۔ لیکن اس تنگ خیالی و تعصب کے وجود کا اعتراف کرنے کے باوجود علم و یقین یہی ہے کہ ہندو اہل قلم اردو کی خدمت اُسی فراخ حوصلگی سے کر رہے ہیں اور ان پر جاہلانہ خیالات کا پرتو نہیں پڑنے پایا۔ ثبوت کے لئے حضرت محروم کے علاوہ اور کئی قابل ہندو شعرا کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جنکے کارنامے اردو زبان میں بہت ہیں اور مفید مطلب ہیں اور وہ دوسروں کے بہکانے سے صراط مستقیم سے ہٹے نہیں۔

رسالہ ذخیرہ (حیدر آباد دکن) بابت جنوری و فروری ۱۹۱۶ء

کلام محروم یہ منشی تلوک چند صاحب محروم کی مختلف نظموں کا مجموعہ ہے۔ جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مشہور رسالوں میں شائع ہوا کی ہیں۔ انداز بیان کی پسندیدگی اور جذبات کی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مرقع قابل دید ہے۔ اسکے صفحات تقریباً ۱۰۰ ادبی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل اور لطافت شعری کا منظر، برجستگی کی جیب کہ غنائیوں سے معمور ہیں۔ شروع میں منشی صاحب کی ہاف ٹون تصویر سے اس مجموعہ کی زینت دوبالا کی ہے اور آخر میں مشاہیر ملک کی پسندیدہ رائیں درج ہیں۔

کس حسن و خوبی سے تشبیہ دی گئی ہے:-

جوشِ رحمتِ یزداں ہوئی دریا ہو کر	بہ چلی عالمِ اجسام میں گنگا ہو کر
آئی ہے راہروِ عالمِ بالا ہو کر	رہ گئے کچھ ترے قطرات ثریا ہو کر

مندرجۂ ذیل اشعار میں جو "ماہِ تاباں" کا تیسرا بند ہے، کتنی اچھی بات بیان کی گئی ہے۔ اس مضمون کو حضرت سرور آنجہانی نے بھی اپنی کئی نظموں میں مختلف طریقوں پر ادا کیا ہے لیکن محروم نے چوتھے مصرع میں جو کچھ کہا ہے وہ غالباً سرور کے یہاں نہیں ہے:-

تھا کبھی تو ایک جادو کا کھلونا ہائے ہائے	وہ نظر آنا ترا، حاصل نہ ہونا ہائے ہائے
رات کو پہروں مچلنا اور نہ سونا ہائے ہائے	نیند کی وادی میں آخر تجھ کو کھونا ہائے ہائے

وہ ہجومِ ذوقِ پنہانی دلِ بیتاب میں
تیرے پیچھے اُڑ کے جانا آسماں پر خواب میں

'بانسری کی کوک' کا جو سماں دکھایا ہے وہ کس قدر مؤثر ہے:-

لعلِ معجز نما سے ہنسی	لے لو، وہ شام نے لگا دی
ہر ایک ترانہ دلربا ہے	جنگل نغموں سے گونج اُٹھا ہے
عالم طاری ہے بیخودی کا	نغمہ ساری ہے بانسری کا
مرغِ تصویر ہر پرندہ	پابندِ زنجیر ہر درندہ
سکتے میں کھڑے ہوئے ہیں آہو	گویا کوئی کر گیا ہے جادو
اک جذبۂ بیخودی میں آ کے	لہراتے ہیں سانپ پھن اُٹھا کے

جب وحشیوں کا ہوا ہے یہ طور
حالت انسان کی کیوں نہ ہو اور

مضامین کی دلفریبی اور جذبات کی بلند پایگی کے ساتھ اگر کوئی فروگزاشت کلامِ محروم میں قابلِ گرفت ہے تو وہ زبان کے متعلق بعض بعض خامیاں ہیں۔ مثلاً تقدیم و تاخیر کے علاوہ اکثر الفاظ اس طرح نظم میں استعمال ہوئے ہیں کہ ان کا آخری حرف ساقط ہو گیا ہے لیکن یہ مثالیں شاذ ہیں اور اس کے علاوہ ان کی معنوی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے کلامِ محروم پر ہر پہلو سے رائے زنی بھی محال ہے۔ مندرجہ بالا چند اقتباسات سے ان

گئے تراجم ہیں، جن کے ساتھ فارسی اشعار گلستان کا ترجمہ بھی قابلِ داد ہے۔ اور اسی سے پتہ چل سکتا ہے کہ حضرت مخدوم کو دوسری زبان کے خیالات کے اظہار پر کس قدر قدرت حاصل ہے۔

حضرت مخدوم کا اندازِ بیان نفیس و دلپسند ہے۔ سلاست پسندی کے ساتھ معنی آفرینی کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں جانے پاتا۔ بعض نظموں کی ابتدا جس بے باکانہ و برجستہ طرزِ ادا کے ساتھ ہوئی ہے اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی مثلاً "خطا کس کی ہے" اس کا پہلا بند ملاحظہ ہو:-

غنچۂ گل میں ذرا دیکھو ادا کس کی ہے ۔۔۔ سبزۂ تر میں لہک کس کی فضا کس کی ہے
سرو و ریحاں میں بھلا نشو و نما کس کی ہے ۔۔۔ گہری سبزی ہے جو پتوں میں بتا کس کی ہے
جلوہ فرمائی یہ سب اُس کے سوا کس کی ہے
اب بھی شاداں نہ ہوئے دل تو خطا کس کی ہے

اس بند کی شان بھی دیکھنے کے قابل ہے:-

پھولا ہوا ہے کس لئے کیا بلبلے میں ہے ۔۔۔ اللہ کون سی یہ ہوا بلبلے میں ہے
اُف اُس قدر غرور بھرا بلبلے میں ہے ۔۔۔ فرعون کوئی آکے چھپا بلبلے میں ہے
کتنا ابھار، کتنی اکڑ، کیسی شان ہے
پانی کی ایک بوند میں کیا آن بان ہے

روانیِ بیان اور شگفتگیِ فکر کا نمونہ ان اشعار میں بدرجہ اتم موجود ہے:-

وقتِ سحر ہے سونے والو ۔۔۔ دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو ۔۔۔ لطفِ سحر کے کھونے والو
جاگ اٹھا ہے پتا پتا ۔۔۔ غفلت کیسی سونا کیسا
تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں ۔۔۔ نغمے تن کے جانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں ۔۔۔ اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
ننھا گھونسلے میں سر کو جھکائے ۔۔۔ دست بہ دعا شاخوں نے اٹھائے
جاؤ یادِ خدا کی گھڑی ہے ۔۔۔ وقت بڑا، دعا کی گھڑی ہے

[illegible] یہ پہلا بند کس رنگ [illegible] کیا [illegible] پیچھے [illegible] میں ثریا کے قطرات گرا تھے

نے جو ایک عرصہ سے ملک کے علمی رسایل کے لیے دلفریبی و دلپسندی کا سامان بافراہم پہنچا رہے ہیں آپ کی شہرت کو چار چاند لگا رکھے ہیں۔ حضرت محروم اُن چند شعرا زمانہ حال میں سے ہیں جو ایک طرف اپنی نوعیت کلام کی وجہ سے حقیقی قدر و منزلت کا استحقاق رکھتے ہیں اور دوسری جانب اُنکا کلام اپنی خوبی و نفاست کی بدولت ماہانہ پرچوں اور موقت الشیوع رسالوں میں بڑے فخر و مباہات سے جگہ پاتا ہے۔ محروم کی انہیں نظموں کا یہ مجموعہ مندرجہ عنوان نام کے ساتھ" خاص اہتمام و التزام سے حال ہیں شایع ہوا ہے اور کیا باعتبار حسن ظاہری اور کیا بلحاظ عظمت باطنی اس قابل ہے کہ ہر شیدائے علم و ادب اُسے اپنی لائبریری میں جگہ دے۔

حضرت محروم طبع رسا رکھتے ہیں اور فکر بلند' اور اُن کے کلام کے مطالعہ کے بعد ان کی قادر الکلامی اور جوش فکر کا خاص اثر ناظرین کے طبایع پر پڑتا ہے۔ وہ کسی میدان میں بند نہیں ہیں بلکہ ان کا توسن فکر ہر جگہ یکساں صلاحیت و تیز رفتاری سے جاتا ہے اور مشکل سے مشکل منزل کو نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے طے کرتا ہے۔ اس مجموعہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے شاعر کی فکر کی گوناگونی کا اندازہ بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ مثلاً وہ نظمیں جو اس مجموعہ میں شامل کی گئی ہیں مختلف عنوان اور مختلف مضامین پر ہیں۔ اخلاقی' ادبی' نیچرل' تاریخی' سوانحی' غرض ہر سبجکٹ پر طبع آزمائی کی گئی ہے اور مناظر قدرت' حب وطن' تصوف و معرفت کے علاوہ دو ایک نظمیں موسمی کیفیات پر بھی ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ مختلف النوع مضامین کے باوجود جو کچھ اور جتنا کچھ کہا گیا ہے اُس میں شروع سے آخر تک شاعری کا طبعی رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور یہ یقیناً پختہ کلامی کی دلیل ہے۔ زمزمہ توحید' یہ کس کے جلوے ہیں' ترانہ وحدت' مناجات' معرفت کے مضامین سے لبریز ہیں۔ موسمی نظموں کے ذیل میں " رخصت سرما" اور " نوائے بہار" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اخلاقی نکتے جس خوبی و نفاست سے حل کیے گئے ہیں ان کا قابل تعریف نمونہ الدنیا دار الغرور' مار آستین' برا نا کرتا' شراب' انجام گل' بلبلہ وغیرہم میں مل سکتا ہے۔ خواب جہانگیر' نور جہاں کا مزار' تاریخی نظمیں ہیں اور انہیں کے پہلو بہ پہلو نوحۂ سرود نادر' لیڈی ہارڈنگ' او اسی قبیل کی دوسری نظمیں کسی خاص واقعہ سے متعلق ہیں۔ گوکل کا جنم' بچے کی فریاد' مدرسہ کی شاعری کی حقیقت' بلندی اور باطنی کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔ سپاہی کا خواب' اندھا رکا' انگریزی نظموں

رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اب ایک کتابی صورت میں کلام محروم حصہ اوّل کے نام سے چھاپی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ سب نظمیں قابل تعریف ہیں۔ پبلک کو اس کی خریداری سے ایک ہونہار قومی شاعر کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔

مخزن لاہور نومبر ۱۹۱۵ء

منشی تلوک چند صاحب محروم عمدہ شاعر ہیں۔ انہوں نے اخلاقی۔ ادبی اور نیچرل نظموں کا مینہہ ملک میں برسا دیا ہے۔ ان نظموں کا مجموعہ ۱۴۰ صفحہ کا شائع ہوا ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ ملک کو چاہیئے۔ کہ اس کی خریداری کی طرف متوجہ ہو۔

زمانہ کانپور۔ اپریل ۱۹۱۶ء

منشی تلوک چند صاحب محروم اس زمانہ کے مشہور سخن طرازوں میں ہیں آپ کی اخلاقی۔ ادبی نیچرل نظموں نے ماہوار رسالوں کو بہت دلچسپ بنایا ہے۔ زمانہ میں بھی آپ کا کلام عرصہ سے درج ہوتا رہا ہے۔ واقعی جناب محروم کے خیالات اور جذبات بہت ہی دلکش اور موثر ہیں۔ کلام محروم ایک ایسا نادر مجموعہ ہے جس میں ہر رنگ کا کلام موجود ہے اس میں کوئی نظم ایسی نہیں ہے جس کو ناظرین دلچسپی سے نہ پڑھیں۔ یہ مجموعہ زمانہ حال کے مذاق کے موافق ہے جو نظم جس عنوان سے لکھی ہے وہ نیچرل رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس مجموعہ کی فہرست مضامین (۸۰) تک ہے۔ اس کتاب کا دلچسپ دیباچہ میر کرامت اللہ صاحب میر فریدی نے نہایت خوبی سے لکھا ہے۔ اگر یار نیچرل رنگ کا کلام دیکھنا ہو تو ارباب سخن کلام محروم کی سیر کریں۔ اس میں بعض ترجمے انگریزی نظموں کے بھی ہیں جن کو بچے بہت شوق سے پڑھیں گے۔ بیشک کلام محروم سے ادبی دنیا میں بہت پسندیدہ اضافہ ہوا ہے

العصر بابت ماہ اگست ۱۹۱۶ء

کلام محروم منشی تلوک چند صاحب محروم کا نام نامی علمی دنیا میں بہ حیثیت ایک نغز گو سخنگو کے تعارف کا محتاج نہیں ہے اور آپ کے دلچسپ و شگفتہ مضامین نظم نے

صوفی نامی گرامی خواجہ حسن نظامی اشاعت گاہ تصوف دہلی

میں نے جناب منشی تلوک چند صاحب محروم کا کلام دیکھا جو مجموعہ کی شکل میں چھپ کر آیا ہے۔ نظم کا سلیقہ مجھ کو نہ کہنے کا ہے۔ اور نہ سمجھنے کا۔ عام لوگوں کی طرح میرے دل پر بھی اچھے اشعار خواہ مخواہ چبھ جایا کرتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ اس مجموعے کے بعض حصوں نے میرے دل کیساتھ یہی سلوک کیا۔

خدا معاف کرے مصنف کو جس نے اپنا نام محروم رکھا۔ میرا خیال ہے کہ ان کا کلام نفاست شاعری سے محروم نہیں ہے۔ بلکہ طبیعت میں گدازگی پیدا کر کے اس کو بے سے محروم کرتا ہے۔

مولوی محمد فیروز الدین خان صاحب بی۔ اے حیدر آباد دکن

آپ کا تحفہ جوانی کی اُمنگوں۔ جذبات انسانی کا مرقعہ ہے۔ جسکو مناظر فطرت کی رنگ آمیزی سے دلآویز بنایا گیا ہے۔ اُمید ہے۔ کہ اس کی خوبیوں کی وجہ سے قبولیت عوام و خواص کا اسے شرف حاصل ہو گا۔

منشی رام رکھپال سنگھ صاحب شید اولوی

(ریویو مندرجہ اخبار ہندوستان)

ماسٹر تلوک چند محروم سے ناظرین کو انٹرڈیوس کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہندو شعرامیں سرگباشی سرور کے بعد اچھا نام پیدا کر چکے ہیں۔ ان کے کلام میں شاعرانہ خوبیوں کے علاوہ ایک قسم کی جدت اور قومی درد بھرا ہوا ہے۔ یہ ہندوستان میں بھی بارہا ان کی نظمیں درج ہوتی رہی ہیں۔ مسٹر محروم کی شاعری غزل گو شعرا کی قافیہ پیمائی اور ہجر و وصال خد و خال زلف و رُخ کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک تاریخی واقعہ اور قومی جذبہ در... تی منظر کی نظم میں تصویر کھینچنے پر قادر ہے۔ ان کی بہت سی نظمیں جو متعدد اخبارات اور

اگرچہ آپ دہلی اور لکھنؤ سے دور پنجاب کی سرحد میں رہتے ہیں۔ مگر زبان کتنی پاکیزہ اور شستہ ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ محاورات خاص بڑی خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے نظم کئے ہیں۔ بیساختہ پن اور چُستی بندش آپ کے کلام بلاغت نظام کا خاص وصف ہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اس نغز بیانی کی داد نہیں دی جاسکتی۔ فنِ سخن میں آپ کی دسترس قابلِ رشک ہے۔ ایسا شعرمرے کلام مخدوم کو اُمید سے بڑھکر حُسن قبول نصیب ہو۔

لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے صاحبِ خمخانہ جاوید

آپکی قابل قدر نظمیں عرصہ سے رسالوں میں دیکھ کر مسرت اندوز ہوا کرتا تھا۔ شکر ہے کہ اب آپ نے کل کلام کو ترتیب دیکر یکجا کر دیا۔ مجھے دوران سفر میں اتنی فرصت کہاں۔ کہ آپکے ارشاد کی تعمیل کرسکوں۔ ورنہ ضرور چند سطریں لکھ بھیجتا۔ جستہ جستہ جو کچھ دیکھا۔ اس سے اتنا کہہ سکتا ہوں۔ کہ آپ کی مشاقی قابلِ داد ہے اور ڈیرہ اسمٰعیلخاں جیسے دور اُفتادہ مقام پر جو مرکزِ زبان اردو یعنی دہلی و لکھنؤ سے اس قدر دور دراز فاصلہ پر ہے۔ آپکا ایسی دسترس روزمرہ زبان پر حاصل کرلینا باعث استعجاب و حیرت ضرور ہے۔

خان بہادر سیّد اکبر حسین صاحب اکبر پنشنر جج

آپ کی نظمیں بہت خوب ہیں۔ معرفت اور مناجات اور دیگر مضامین کو خوش اسلوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ اخلاقی نظموں کا مجموعہ نہایت مفید ہے۔ ترجمہ اشعار گلستان نہایت عمدہ ہے۔ نصائح منظوم لاجواب ہے۔ موت کے متعلق جو مضمون ہے۔ بہت موثر ہے اور خاص طور پر قابلِ داد ہے۔ بہت سے مضامین ایسے ہیں۔ جو لڑکوں کو یاد کرانے چاہیئں آپ بہت مستحق داد ہیں۔ ہر ایک کا کام نہیں۔ کہ ایسی پُر مغز نظموں کا مجموعہ مرتب کرے۔ میں شکر گذار ہوں کہ آپ نے ایک کاپی کلام مخدوم کی مجھ کو عنایت فرمائی۔ خدا آپکے قلم فیض رقم کو ہمیشہ رواں رکھے ؞

ہیں۔ کہ رفتہ رفتہ اردو کی خدمت کرنے والوں میں سے کیسے کیسے روشن خیال روشن طبع لوگ پیدا ہونے لگے ہیں لیکن نہیں ہم صدقِ دل سے حضرت محروم کی خدمت میں اس ادبی کامیابی پر مبارکباد عرض کرنے سے رہ نہیں سکتے۔

کلام محروم اس لئے بھی خصوصیت رکھتا ہے۔ کہ اسمیں کوئی ایسا حصہ کلام نہیں جو کسی فرد بشر کے مخصوص خیالات اور پوشیدہ جذبات پر حملہ کرتا ہو۔ ہندوستان میں اس قسم کی شاعری کی بلحاظ ضروریات ملکی زیادہ تر ضرورت ہے ؎

ازز مینِ دلِ محروم نہالانِ امید ۔۔۔ پا گرفتند بہ بینیم چہ ثمرے آرند

چودھری خوشی محمد صاحب ناظر بی اے گورنر جموں و کشمیر

افسوس ہے کہ ناسازی طبع کی وجہ سے میں تقریظ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ مگر آپ کی نظموں کو جو شخص سرسری نظر سے بھی دیکھیگا اسکو اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ آپ کا بے عیب پاکیزہ کلام خاص داد کے قابل ہے۔ دور از کار اغراق و غلو۔ اور ان نیچرل تخیل اور غیر مہذب مستی و رندی سے آپ کا کلام کلیتاً پاک ہے۔ اور زبان ایسی پاکیزہ سلیس ہے کہ دو ایک مرتبہ شعر پڑھنے سے یاد ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں نئی پود کے واسطے آپ کی نظموں کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

منشی مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی

میں حیران ہوں۔ کہ کن الفاظ میں آپ کی جودتِ طبع اور حسنِ تخیل کی داد دوں اور کلام محروم کو گنجینہ معانی کہوں یا مایۂ نازِ سخندانی لکھوں کیا ہیں۔ جدت طرازی مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا مُرقع ہیں۔ جس جگہ سے پڑھتا ہوں۔ نیا لطف ملتا ہے کس نظم کو کس پر ترجیح دوں۔ اور کیسے حاصل دیوان کہوں ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مینگرم ۔۔۔ کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

اس کی کشادہ دلی۔ اس کا غیر غاصبانہ عمل اور اس کی قوت حاسمہ ایک خصوصیت رکھتی ہے۔

جس طرح زمانے نے رنگ بدلا ہے۔ اسی طرح اردو کی شاعری بھی رفتہ رفتہ رنگ بدل رہی ہے۔ اگر پہلے گل و بلبل کے قصے کہانیاں اور زلف و گیسو کی پیچیدگیاں گلستان اردو کی سرسبزی اور شادابی اور لعبت حسن زبان کی مایۂ ناز تھیں۔ تو آج حقیقت سادگی۔ ریاض قدرت کے دلکش و دلربا مناظر۔ گل و شگوفے سامان زیب و زینت ہیں۔ کلام محروم حصہ اول میں حضرت محروم نے ان ہی دلآویز یوں و دلچسپیوں کے شاعرانہ گلدستے بلکہ ادب اردو کے پیش کئے ہیں۔

حضرت محروم اپنی مسلمہ انشاپردازی اور فصیحانہ ناز تخیل کے خیال سے کسی مزید تعارف یا میرے فخل در معقولات کے محتاج نہیں ہیں۔

حضرت محروم نے جن پاکیزہ جذبات نتیجہ خیز۔ خوش آیند تحریکات اور تمدنی و اخلاقی نکات سے عروس اردو کی رونمائی کی ہے۔ وہ اردو کے لئے ایک مرحلہ ترقی اور فال مبارک ہے۔ نظم زمزمہ توحید۔ نور جہاں کا مزار۔ پیام شوق۔ علم۔ سیتا کی فریاد۔ چڑیا کی زاری۔ انجام گل۔ انگریزی نظمیں جس متانت۔ جس خوبی۔ جس جامعیت سے لکھی اور ترجمہ کی گئی ہیں۔ اُن سے پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ حضرت محروم کہاں تک قادر الکلام اور جامع المحاسن ہیں۔ اگرچہ یہ مضامین پہلے بھی ملک کے بعض مؤثر رسایل میں چھپ کر ملک و قوم سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ لیکن اب یہ لآلی منثورہ سلک نظم میں برنگ دیگر منسلک ہو کر عروس اردو کی زیب و زینت اور خوشنمائی کی غرض سے شرف اشاعت پاتے ہیں۔ حضرت محروم کا کلام اس قابل ہے۔ کہ ادبی دنیا میں اسکی خاص قدر کیجائے اور ایسی دلآویز اور نتیجہ خیز نظموں سے اس نقصان کو پورا کیا جاوے۔ جو اردو ادبی دُنیا کے واسطے ایک قابل غور کمی ہے۔ حضرت محروم کی جانب سے یہ پہلی قسط خزانۂ اردو میں داخل کیجاتی ہے۔ ہمیں قوی امید ہے۔ کہ حضرت موصوف دوسری اقساط واجبہ بھی جوان کے لٹریری ذمہ ہمت پر باقی ہیں۔ داخل کر کے ملکہ اردو کی واجب الوصول بقایا بیباق کر کے ادبی سرخروئی کا داخلہ حاصل کرینگے۔ فرزندان ملک کا یہ فرض ہے۔ کہ اپنے ملک کی ہونہار اور وسیع المشرب السنہ کی خدمت اور غور و پرداخت اپنے علمی اندوختہ سے کرتے ہیں نقادان سخن اور صرافان کلام حضرت محروم کے مؤثر۔ دلآویز خیالات کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے

دوزینت بنی کلام سے بھاتا رہا۔ مگر اب خاص حصہ بصورت دیوان طبع ہو جانے سے تو اس میں بیش از بیش نظافت و نگینی پیدا ہو گئی ہے اور عبور کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کلام نے اردو ادب سے وہ داغ بدنامی دور کر دیا ہے۔ جو اس پر ایک عرصہ ممتد سے شائستہ اقوام لگاتی ہیں۔ کہ یہ ناقل زبان ہر قسم کے مضامین ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ اور سوائے تغزل کے اسیں دیگر مضامین کے ادا کرنے کی طاقت مفقود ہے۔ کلام محروم نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ زبان جس قدر تغزل پر قادر ہے۔ اسی قدر اخلاقی مضامین اور نیچرل سین کے کھلانے پر توانا۔ یہ احسان محروم اور اس کے دیگر ہمعصروں اور ہمچشموں کا اردو پر ایسا ہے جو اس زبان کے قدردانوں کے دلوں سے کبھی محو ہونے والا نہیں۔ کلام محروم میں شاعر نے جس مضمون کو لیا ہے۔ نہایت عمدگی سے نبھایا ہے۔ تمام مضامین زمانۂ حال کے مذاق کے عین مطابق و مناسب ہیں۔ زبان شستہ و ٹکسالی ہے۔ طرز ادا نہایت مؤثر ہے۔ تمام کلام میں آورد کا کہیں دخل نہیں۔ کلام اس قابل ہے۔ کہ اس کو سررشتہ تعلیم مدارس میں مروّج کرے۔ اس سے طلبا کے دلوں میں قدرتی نظاروں کا مذاق پیدا ہوگا۔ اخلاق حسنہ کی بنیاد دلوں میں استوار ہوگی۔ اور زبان کا اعلیٰ عمدہ اور مؤثر نمونہ اُن کے پیش ہوگا۔

خان بہادر مرزا سُلطان احمد خاں صاحب از سونی پت

ادب اردو کی کمسنی اور اُس پر مختلف اقسام کی ادبی اور علمی نواحی تحریکات اور ان تحریکات کی بلند پروازیاں اور نیرنگیاں اگر نقطہ ادبی کے خیال سے ادب اردو کیواسطے کچھ دلآویزی اور دلچسپی رکھتی ہیں۔ تو ایسی نواحی تحریکات یہ بھی درخواست کرتی ہیں کہ انہیں عروس اردو کی رونمائی میں پیش کیا جائے۔

ادب اردو میں نظم اور شاعری کا شروع ہی سے جو انہماک اور درجہ رسوخ رہا ہے وہ موذبین سے مخفی نہیں۔ مختلف مذاق اور مختلف مشرب کے شاعروں نے اپنے اپنے رنگ میں جو خدمت کی ہے۔ وہ بجائے خود اردو کی خوش قسمتی کی دلیل اور قبولیت عامہ کی برہان روشن ہے۔ اگرچہ اردو بہ مقابلہ اپنی دوسری ہمعصر زبانوں کے نسبتاً کم سن ہے۔ لیکن باوجود اس کم سنی کے بھی اس کی جودت۔

میر غلام بھیک صاحب نیرنگ بی۔اے پلیڈر انبالہ

آپ نے ازراہ محبت کلام مرحوم کا ایک نسخہ اس نیازمند کو عطا فرمایا ہے۔ میں اس کو ایک بڑی نوازش سمجھتا ہوں۔ رسالۂ مخزن کے ایام طفولیت اور عنفوان شباب کے زمانہ سے آپکا غائبانہ مداح ہوں اور گو آجتک ملاقات کی مسرت سے محروم ہوں لیکن کلام مرحوم کے نمونے بجز دم نہیں اس مجموعے کے اول سے آخر تک ایسا کلام ہے جو ملک میں جدید مذاق سخن پھیلانے میں اچھا بڑا کام کرے گا۔ شاعرانہ تخیل کی رنگینی۔ انداز بیان کی شیرینی مظاہر قدرت اور واقعات عالم میں نگاہ نتائج جو کی باریک بینی ہر جگہ قابل داد و تحسین ہے۔ طرز بیان میں سادگی اور رنگینی کو بڑی کامیابی سے جمع کیا گیا ہے۔ خاص خاص نظمیں مجھکو بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہیں مثلاً خواب جہانگیر۔ نورجہاں کا مزار۔ ہلال عید۔ ماہ تاباں۔ محبت کے کرشمے۔ سوہنی۔ بندرابن کی ایک صبح بانسری کی کوک۔ سوہنی میں آپ کے الفاظ اور تخیل نے وہ کام کیا ہے۔ جو روی ورما نے اپنے موقلم اور رنگوں سے کیا۔ میں آپ کو اس مجموعے کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ والسلام

منشی سورج نراین صاحب مہر دہلوی

میں آپکی نظمیں رسالوں اور اخباروں میں پڑھتا رہا ہوں۔ یکجائی مجموعہ دیکھکر نہایت خوشی ہوئی۔ شکر ہے۔ کہ اردو میں ایسے شعرا کا کلام بھی شایع ہونے لگا ہے۔ جنکی شاعری پرانا طرز کی غزل گوئی سے محدود نہیں ہے۔ آپکی شستگی زبان۔ چستی بندش۔ جدت نوعیت مضامین داد کے قابل ہے مجھے یقین ہے۔ کہ اس نفیس کتاب کی قدر اہل ملک ضرور کرینگے۔

لالہ رام داس صاحب منشی فاضل گورمنٹ نارمل سکول اٹک

یوں تو کلام مرحوم وقتاً فوقتاً اردو زبان کے نامی گرامی اور مشہور ادبی رسالوں اور اخبارات میں شایع ہوتا رہا۔ اپنے اپنے موقعہ پر [illegible] لطف [illegible] ناظرین [illegible]

تقریظِ منظوم بر کلامِ محروم

حصّہ اوّل

(عالیجناب منشی ونائک پرشاد صاحب طالبؔ بنارسی مقیم بمبئی)

چھپ گیا وہ کلامِ لاثانی ۔۔۔ جس کی خوبی کی ہو رہی تھی دھوم
منشی محروم کی جو ہے گفتار ۔۔۔ بے بہا۔ پُر بہار اور منظوم
جس کا۔ پُر لطف ہے۔ ہر ایک خیال ۔۔۔ جس کا۔ ندرت نما ہے۔ ہر مفہوم
گرم اشعار۔ گرم گرم زبان ۔۔۔ اس میں ہیں ٹھنڈی گرمیاں معدوم
جتنی تحریر ہے وہ سب ممدوح ۔۔۔ نہیں کوئی عبارتِ مذموم
کس نفاست کا ہے ہر اک مضمون ۔۔۔ واہ رے نسخہ! واہ رے مرقوم!
حسنِ اخلاق و پند کا دفتر ۔۔۔ نیچرل خوش بیانیوں کا ہجوم
اس کی تحریر بھی ہے "مالکترا" ۔۔۔ جتنے نقطے ہیں اس میں۔ رشکِ نجوم
کون منشی تلوک چند؟ وہی۔ ۔۔۔ جو ہیں پروانۂ چراغِ علوم
ہیں مضامین جن کے عام پسند ۔۔۔ جنکی جودت ہے دہر کو معلوم
جن سے خالی نہیں کوئی اخبار ۔۔۔ جن کا طرزِ کلام ہے۔ مختوم
آپ سالک ہیں خلق ہے مسلوک ۔۔۔ آپ حاکم ہیں۔ نظم ہے محکوم
کم سنی میں۔ جنہیں بڑے بوڑھے ۔۔۔ کہتے ہیں۔ فنِ شعر کا مخدوم!
پائی ہم نے بھی ایک۔ جلدِ کلام ۔۔۔ کھل گئے بھاگ! کھل اٹھا مقسوم!
سال تاریخِ طبع کا لاریب ۔۔۔ حسبِ ارشاد۔ ہے ہمیں بھی لزوم

عیسوی سن میں کہدو اے طالبؔ
"ہوش افزا ذخیرۂ محروم"
۱۹۱۶ع

(قطعہ)

یہ گوہرِ حکمت ہے یہ ہے بحرِ لطافت　　پڑھئے اسے دلچسپ نہ ہو تو مجھے کہئے
ہیں آپ اگر خوبئ انشا کے طالب　　محرومؔ کی گفتار سے محروم نہ رہئے

(طالب بنارسی)

کلامِ محروم حصّہ اوّل

پر

مشاہیرِ ادب۔ رسالجات اور اخبارات کی

رائیں

یہ منشی تلوک چند محروم کی اخلاقی۔ ادبی اور نیچرل نظموں کا مجموعہ اردو خوان پبلک میں بیحد مقبول ہوا ہے۔ گورنمنٹ پنجاب نے ازراہ قدردانی مصنف کو اسکی اشاعت پر دو سو روپیہ انعام عطا فرمایا اور پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے مدارس کے لئے ۲۰۰ جلدیں خرید فرمائیں۔ علاوہ ازیں ڈائرکٹر صاحبان سررشتۂ تعلیم پنجاب و شمال مغربی سرحدی صوبہ و بمبئی نے مدارس کی لائبریریوں کے لئے اسے منظور فرمایا ہے۔ سررشتۂ تعلیم ریاست حیدر آباد دکن و ریاست کشمیر نے بھی قدر افزائی کی ہے۔

پہلی ایڈیشن قریب الاختتام ہے۔ اگر اہل ملک کی خواہش ہوئی تو ترمیم اور اضافہ کے ساتھ دوبارہ چھپوایا جائیگا

نیاز اِلتیام منی رام کالڑہ بی۔اے

لاہور

لگائے شوکتِ برطانیہ کو چار چاند اُس نے
ہوا مہرِ وفائے ہند - جب گرمِ درخشانی
پرائی آگ میں پڑتا - بہت دشوار ہوتا ہے
نہایت قابلِ تحسین ہے - امریکہ کی قربانی
جوان زیرِ یں جزائر کے بھی آئے سر بکف ہوکر
فدائی جارج پنجم کے، وہ تیرے دشمنِ جانی
جو حق سے پھر گیا بلگیریا خواہ آسٹریا ہو
ہزیمت ہے مآل اس کا ہوا ثابت بآسانی
پلائی تھی جو قیصر نے - نشہ اس کا بدیر اُترا
خطاکاری پہ ترکوں نے - اُٹھائی کیا پشیمانی
تجھے قیصر سے کیا - اور اس کے اعمالِ زبوں سے کیا
دعا پر ختم کر محروم یہ قصہ ہے طولانی
مبارک حاملانِ عدل کو جمعیتِ خاطر
مناسب دشمنانِ امنِ عالم کو پریشانی
مبارک ہو شہنشاہِ جہاں - فتح و ظفر تجھکو
ترا دشمن شہیدِ خنجرِ بے برگ و سامانی
ہوا و بحر و بر تیرے مطیعِ حکم ہوں دائم
ترے اُڑتے جہازوں پر فدا تختِ سلیمانی
ضیائے لطف کے محتاج ہیں ذراتِ خاکِ ہند
نگاہِ مہر سے تیری یہ ہو جائیں گے نورانی

غرورِ تاجداری سے۔ نہ قیصر کو خیال آیا
فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے ہمسرانی"
جبیں ہر دم عرق ریزِ کمالِ سعی تھی لیکن
نہ ہرگز بختِ بد سے۔ مٹ سکی تحریرِ پیشانی
شہنشاہِ معظم جارج پنجم کے مقابل میں
قراجنگ آزما ہونا تھا ولیم! سخت نادانی
یہ وہ دارائے کشور ہے۔ وہ شاہِ نیک اختر ہے
ہے یاور آسماں جس کا۔ محافظ ذاتِ یزدانی
خدائے دو جہاں نے فضل سے اپنے جسے بخشی
جہاں گیری۔ جہاں بخشی۔ جہانداری۔ جہانبانی
خصالِ روح پرور سے۔ جمالِ سعد اختر سے
رعیت جس کی شیدائی ہے دولت جس کی دیوانی
حکومت تھی فقط تیری زمیں کے ایک ٹکڑے پر
دلِ اہلِ جہاں پر جارج پنجم کی قلم رانی
ترے اپنے بھی غیر اور اس کے اپنے، غیر بیگانے
ہوا خواہانِ دولت میں ہیں چینی اور جاپانی
صف آرائی تری تھی اک نمائش اہلِ ظاہر کی
مقابل جس کے نکلا۔ رزمگہ میں ذوقِ پنہانی
فرانس و بلجیم کے واسطے جو تو نے سوچی تھی
وہ آخر خود تجھے در پیش آئی تنگ میدانی
وفائے ہند کے جوہر کھلے میدانِ یورپ میں
جوانانِ جری نے خون اپنا کر دیا پانی

بجائے قتل و غارت ۔ ہے امانِ مال و جاں پیدا
وبا و قحط کے بدلے ۔ شفا ہے اور ارزانی
کبھی جاتی تھی دنیا ۔ ورطۂ پیکارِ یورپ میں
بسانِ نقشِ آب آخر مٹا وہ جوشِ طغیانی
اٹھا جس دم علم امن و اماں کا ۔ لے کے انگڑائی
ہوئی محسوس ۔ تیغِ خونچکاں کو شرمِ عریانی
دہانِ توپ پر مہرِ خموشی لگ گئی گویا
نہ اب وہ تزاژ خائی ہے ۔ نہ وہ فریادِ ہذیانی
عوض خونِ عدو کے بادۂ گلرنگ پیتے ہیں
ہوا ہے عرصۂ پیکار ۔ مثلِ بزمِ مہمانی
مبارک اہلِ عالم کو! نیا دورِ زماں آیا
نہ قیصر ہے ۔ نہ قیصر کے وہ آئینِ ستمرانی
کیا معزول حق نے ۔ جبر کی فرماں روائی کو
عیاں ہے صفحۂ عالم پہ نقشِ تازہ عنوانی
گرفتارِ بلا خود ہو کے ظالم رہ گیا آخر
ہزاروں بے گناہوں کو کیا تھا ۔ جس نے زندانی
عتابِ ذاتِ حق سے ۔ ہو گیا بے خانماں قیصر
کہ آخر رنگ لائی ۔ بلجیم کی خانہ ویرانی
ہوائے انقلابِ دہر نے توڑا اسے دم میں
حبابِ بحر تھا ۔ قیصر کے سر کا تاجِ سلطانی
پسند آتے بھلا کیونکر خدائے پاک و برتر کو
ضعیف آزاریء بیجا ۔ فریبِ دستِ پیمانی

قصیدۂ ظفریہ

جو پنجاب پبلسٹی کمیٹی لاہور کے عظیم الشان مشاعرہ منعقدہ ۵ ادسمبر ۱۹۱۸ء میں پڑھا گیا

چلی گلزار عالم میں نسیم فضل رحمانی
فرو آخر ہوئی جنگ و جدل کی شعلہ افشانی

مبارک ہو۔ کہ ہنگام نشاط نو بہار آیا
خزاں کھسکی۔ گلستان جہاں سے ہو کے کھسیانی

مبدل رنگ عشرت سے ہوئی۔ خونریزیٔ عالم
بپا ہے شور ماتم کے عوض۔ اب زمزمہ خوانی

جہاں دغتی تھیں بندوقیں۔ وہاں کلیاں چٹکتی ہیں
بجائے ہاو ہوئے جنگ ہے۔ شورِ غزل خوانی

ترنم ریز باجے ہیں۔ مسرت خیز نغمے ہیں
ہوا یکسر جہاں۔ منت کش ذوقِ خوش الحانی

یہ محو گیسو آرائی۔ تو وہ چشم تماشائی
نہ سنبل کو پریشانی۔ نہ نرگس محو حیرانی

نہ طبقات ہوا سے قطرہ ہائے خوں برستے ہیں
کہ گوہر ریز ہے اوج سما سے۔ ابر نیسانی

نہ خون بے گناہاں سے ہے رنگ بحر عنابی
کہ ہر موج رواں ہے غرق سعیٔ ہائے امانی

قطعہ ۳

پنجاب اور دہلی کے گزشتہ واقعات پر

شاعر کا فرض ہے اِسے دیکھے بچشم غور
دُنیا میں اس کے سامنے جو کچھ ہو رُونما
ہو کر اثر پذیر کرے نظم میں بیاں
کچھ اس طرح کہ کھینچ دے تصویرِ ماجرا
دل تھا اسی خیال میں میرا کہ غیب سے
آئی بگوشِ ہوش یہ حسرت بھری صدا
جو واقعات دہلی و پنجاب میں ہوئے
"محروم اُن پہ نظم نہ لکھ اشکِ خوں بہا!"

قطعہ ۴

ذرا جب اُٹھکے قومی ولولوں نے کچھ ہوا باندھی
وہیں ان کے دبانے کو دہوأں دھار اک اٹھی آندھی
سلامت تیری کشتی کو خدا لے جائے ساحل تک
تری کوشش میں شامل ہے غریبوں کی دعا گاندھی!

خیر مقدم ۵

بعدِ شبِ تار صبحِ خنداں
جس طرح اُفق پہ ہو نمایاں
یا بعدِ فسردگیِ سرما
ہو فصلِ بہار جلوہ فرما
یا موسمِ پُرخروش کے بعد
طوفان بلا کے جوش کے بعد
عالم ہو سکوت کا فضا میں
تندی نہ ہو نام کو ہوا میں
اِس طرح ہوا ہے جلوہ افگن
پنجاب میں عہدِ میکلیگن

متفرقات

(۱)

قومی پستی کے آثار

جس قوم کے بچے بے ادب ہیں | ماں باپ کے موردِ غضب ہوں
جس قوم کی عورتیں ہوں جاہل | اور سوئے فضولیات مائل
جس قوم کے نوجواں ہوں مغرور | رسم و رہِ انکسار سے دُور
جس قوم کے پیر بدزباں ہوں | اور غصہ و غم سے نیم جاں ہوں

وہ قوم رہے گی پست دائم
ہوگی اُس کو شکست دائم

(۲)

بزرگانِ سلف اور ہم

(ترجمہ از انگریزی)

ہمارے اجداد جو مدبر تھے اور مالک تھے بحر و بر کے | زمانہ بھر میں وہ معتمد تھے جہاں میں تھا حکم عام اُن کا
جسے وہ جب چاہتے اُٹھا دیتے جہاں چاہتے گراتے | اہم فرائض ہے کام جس کا وہ کرتے خود انتظام اُن کا
مگر یہ ہم ہیں کہ کر چکے ہیں حقیقتِ ملک و وطن کو زائل | کریں گی کیا فخر اپنی نسلیں ڈبو دیا ہم نے نام اُن کا
ہوئے ہیں اہلِ وطن گداگر نہیں ہے پوشیدہ حال ابتر | ابھی تو جستجوئے تفریح میں [illegible] اُن کا

رُباعیات

(۱)

کس نیند میں اے اہلِ وطن سوتے ہو — تم سوتے ہو جب ہو کے مگن سوتے ہو
لپٹے ہوئے ہو چادرِ غفلت میں تم — یا اوڑھے ہوئے تن پہ کفن سوتے ہو

(۲)

مظلوم ہوئے ہم کو ستانے والے — اور بیٹھ گئے فتنہ اُٹھانے والے
ہرگز نہ مٹا نقش ہمارا محروم — مٹ مٹ گئے خود ہمکو مٹانے والے

(۳)

آباد رہیں ہند میں سب مسجد و دیر — ہندو ہی پرائے ہیں نہ مسلم ہیں غیر
بس تفرقہ اندازی کو چھوڑو یارو — مذہب نہیں کہتا رکھو آپس میں بیر!

(۴)

شاہا! ملے لاجپت ہمارا ہمکو — شیدائے وطن ہے جاں سے پیارا ہمکو
دنیا در دستِ جورِ بے انصافی — کس جرم پہ مارلے نے مارا ہمکو؟

غزل (۱۰)

جنہیں حسنِ تدبیر کا آسرا ہے، رکیگا نہ کام اُن کا کبھی رُکا ہے
درِ کامیابی سدا اُن پہ وا ہے کہ اربابِ ہمت کا حامی خدا ہے

جو سرگرمِ محنت کوئی آدمی ہو، ارادوں میں جسکے نہ کچھ برہمی ہو
نہ کچھ عزم کی پختگی میں کمی ہو، ہمالا بھی گر سامنے ہے تو کیا ہے

جوئے شیر فرہاد لایا کہ شیریں ملے گو نہ باقی رہے جانِ شیریں
فقط ذوقِ پنہاں نے آسان کر دیں وہ سب مشکلیں جن پہ تیشہ چلا ہے

جو ہیں دوسروں کے سہارے پہ جیتے، وہ تلخابِ حسرت کے ہیں گھونٹ پیتے
کہاں بادۂ کامرانی کہاں وہ کہ انگورِ محنت سے وہ تو کھچا ہے

فلک ساں طبیعت میں ہو گر بلندی تو چمکا کریں اخترِ ارجمندی
یہی زیرکی ہے یہی ہوشمندی، یہی مرضئ ذاتِ ربّ العلا ہے

جو پستی سے نکلیں خیالات اپنے بدل جائیں دو دن میں حالات اپنے
نہ منحوس ہرگز ہوں دن رات اپنے، سعادت کا سیدھا ہی رستہ کھلا ہے

بخارات نے جبکہ لی راہِ رفعت، فلک پر وہ جا کر بنے ابرِ رحمت
بیاباں ہوئے اُن سے گلزارِ جنت، گہر سے سمندر کا دامن بھرا ہے

سخن سنجِ تازہ ہیں سحر قلم ہم بھی، مچا سکتے ہیں شعر میں دھوم ہم بھی
مگر آہ! رہتے ہیں مغموم ہم بھی، کہ بگڑی ہوئی اس چمن کی ہوا ہے

ترے پائمالِ ستم ہیں گو - مگر ان میں تابِ تواں یہ ہے
شب و روز کرتے ہیں موت سے ترے سرفروش مقابلہ
تو جو خوں ہوا ہے تو کیا ہوا - کہ دمِ اخیر تلک کیا
غمِ بے حساب سے تو نے اے دلِ جنبرکوش! مقابلہ
جو ادا ہے تیغ بکف ہے وہ، جو سخن ہے خنجرِ جانستاں
تری فوجِ ناز سے تا کجا کریں چشم و گوش مقابلہ
گئی جان حسرتِ دید میں، مگر اُف نہ آئی زبان پر
تلک اس کو کہتے ہیں ضبطِ غم، یہ ہے بیخروش مقابلہ!

غزل (۹)

نہ وہ ہند باغِ جناں رہا نہ وہ اس میں جوشِ بہار ہے
نہ گلوں کا اب وہ سماں رہا، نہ ترانہ سنجِ ہزار ہے
نہ دلوں میں ہیں وہ صداقتیں، نہ وہ اُلفتیں نہ محبتیں
ہیں کدورتوں پہ کدورتیں تو غبار زیرِ غبار ہے
نہ وہ بزم ہے نہ وہ دَور ہے کہ زمانہ اور سے اور ہے
نہ وہ صبح و شام کا طَور ہے نہ وہ طرزِ لیل و نہار ہے
نہ وہ رنگ روپ وطن میں ہے جو شبیہہ عہدِ کہن میں ہے
نہ ادا وہ گنگ و جمن میں ہے نہ وہ فضا نہ آبشار ہے
تلک غریب اسیرِ غم کرے کیا بیانِ وطن رقم
کہ یہ حال لکھتے ہوئے قلم کا بھی سینہ ہو تا فگار ہے

یہیں کی رُوئی - یہیں کی مِل - یہیں کا ریشم - یہیں کی مخمل
نہ لنکاشائر نہ مانچسٹر - سُودیشی وستو - سُودیشی وستو

فضول جپ تپ سے مجھکو بتلا ملے گا کیا تجھ کو اے برہمن
ثواب چاہے تو جاپ یہ کر سُودیشی وستو - سُودیشی وستو

اِسی سے ہوگی نجات حاصل - سُنا ہی بزمِ وعظ میں تو
کہ ہے جہاں میں ثوابِ اکبر - سودیشی وستو - سُودیشی وستو

ہوئے اسی خاک سے ہو پیدا - یہ سرزمیں ہے تمہاری ماتا
ہو یہ صدا اُس کے کیوں مُکدر سودیشی وستو سُودیشی وستو

نہ دل میں ہو جس کے کچھ حمیّت وطن سے جس کو نہ ہو محبت
سُنا دو بزدل کو یہ کڑک کر سُودیشی وستو سُودیشی وستو

ہے مُلک اپنا غریب و بے زر نہ ڈالو غیروں کا بوجھ اس پر
کہو یہی بادلِ تونگر سودیشی وستو سودیشی وستو

ہے چُور زخموں سے اپنا بھارت لگاؤ تم مرہم محبت
علاج اس سے نہیں ہے بہتر سودیشی وستو سُودیشی وستو

ہو دیکھ کر دل میں شاد و فرحاں کہ ہے رعایا کو ملک کا دھیان
سُناؤ جا کر حضورِ قیصر سُودیشی وستو - سودیشی وستو

غزل (۸)

یہ نہیں ہے شانِ وفا صنم اگر کریں بجوش مقابلہ
تری سختیوں سے کریں گے ہم بخدا خموش مقابلہ

غزل (۶)

کس میں ہے رازِ بقا؟ گر اوجِ ہستی میں نہیں
چاند سورج اور ستارے قعرِ پستی میں نہیں

ہر قدم پر آہ! یہ منظر غلامی کے کہاں
مجھ کو صحرا میں جو آزادی ہے بستی میں نہیں

ساغرِ خالی کو بھرتی ہے صراحی دم بدم
جھوٹ ہے کوئی کسی کا تنگدستی میں نہیں

وہ بھی دن تھے جبکہ ہم تھے دہر میں جنسِ گراں
قیمت اپنی آج کچھ بازارِ ہستی میں نہیں

پیرس و لندن کی جھوٹی مت پلا ساقی مجھے
لطفِ بے پاکیزگی کچھ مے پرستی میں نہیں

عین ہشیاری کی باتیں ہیں اگر سمجھے کوئی
یہ غزل مخدوم لکھی ہم نے مستی میں نہیں

غزل (۷)

وطن کی اُلفت میں ہو زباں پر سوُدیش دستو، سوُدیش دستو،
ستاؤ ہندوستاں میں گھر گھر سوُدیش دستو سوُدیش دستو

وہ گھاٹ - وہ ازدحامِ خلقت وہ حسن بے پردہ شانِ عصمت
کہ یاد آئے خدا کی قدرت جو دیکھیے وہ جلوہ زار جا کر

وہ آبِ شیریں خنک معطر کہ مات ہو جس سے آبِ کوثر
اگر ہو قرباں نبات اُس پر تو برف بھی ہو نثار جا کر

جو دیکھ چکی ہو یہ کنارا تو دیکھنے پار کا نظارا
عبور کرتی ہے بات سارا نظر ٹھہرتی ہے پار جا کر

جسے ہو فردوس کی تمنا رہے وہ جا کر کنارِ گنگا
بُرا کیا تو جو واپس آیا وہاں سے محرومِ زار جا کر

غزل (۵)

ای ہمنشیں ز حالتِ ہندوستاں مپرس
چوں گشت تیرہ روز چو زلفِ بتاں مپرس

سوزاں بہ نارِ قحط و مرض خلق را ببیں
فردوس را برنگِ سقر شد چساں مپرس

ہر سو صدائے دعوئے حبِ وطن شنو
در سینہ از خزینۂ کینِ نہاں مپرس

زنار دام کردہ دشِ برہمن است
از من شنو ز زاہدِ تسبیح خواں مپرس

از دانہ ہائے سبحۂ زاہد بہوش باش
من گو میت ز برہمنِ راز داں مپرس

مے مست شاد و ما کہ پریشاں تنگ شدہ
آوخ ز سو مہریٔ اہلِ جہاں مپرس

مرداں فدائے آبروئے قوم گشتہ اند
ہیچے ازیں معاملہ از ہندیاں مپرس

محروم آمد از تو برائے وطن چہ خیر
از خود بگو چہ کردہ؟ از دیگراں مپرس

تمہارے ہجر میں روتی ہے جمنا آٹھ آٹھ آنسو
کہ پھیکا ہے تمہارے رنگ بے ہر کار ہولی کا
لنگوٹی میں ہی یارانِ وطن بھاگ کھیلیں گے
میسر قحط سالی میں ہوا دیدار ہولی کا
نہ ہوگے پہلوے محرم میں ہمنا و گئیں کب تک
تماشا دیکھنے نکلو دلِ بیزار ہولی کا

غزل (۴)

کنارِ گنگا

کنارِ گنگا پہ ہم نے ساون میں خوب لوٹی بہار جاکر
ملا اگر لطفِ زندگانی جہاں میں تو ہر دوار جاکر

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وہ دل کے سیہ بادلو بکھے
دکھانا وہ بجلیوں کا عشوے۔ یہ پپیہے کو سہار جاکر

چہکتے پھرتے ہیں بن کے پنچھی۔ نہیں ہے پروا نہیں کسی کی
نہ کوئی ظالم نہ کوئی موذی۔ جو کرلے انکو شکار جاکر

وہ اونچے اونچے شوالے مندر۔ اُچھلتے پھرتے ہیں جن پہ بندر
کہیں تھے باہر ابھی ہیں اندر۔ وہاں بھی ہیں بیقرار جاکر

ہیں اپنی ہی دھن میں مست سادھو کہیں ہیں مستِ الست سادھو
کہ چھوڑ بیٹھے ہیں گرہست سادھو۔ حضورِ پروردگار جاکر

انہی میں ہیں کچھ شکم کے بندے۔ بچھائے بیٹھے ہیں مکر کے پھندے
ہیں روز و شب پیٹ ہی کے دھندے۔ بنایا دوزخ کو غار جاکر

آسماں کیونکر ہوا بدخواہ اپنا دوستو! / دشمنِ اہلِ وطن دورِ زماں کیونکر ہوا

جھڑ گئے کملا کے سارے صنعت و حرفت کے پھول / سر بسر بے برگ نخلِ گلستاں کیونکر ہوا

بھیم و ارجن سے کبھی پیدا ہوئے جس دیش میں / آج وہ اتنا نحیف و ناتواں کیونکر ہوا

روح پھونکی جس نے جا کر پیکرِ اقوام میں / آہ! وہ علم و ادب جسمِ بے جاں کیونکر ہوا

شوکتِ دیرینہ اپنی کس طرح یارب مٹی / آشنائے قعرِ پستی آسماں کیونکر ہوا

جس کی آوازِ جرس تھی سازِ فطرت کی صدا
دشتِ ہستی میں تلف وہ کارواں کیونکر ہوا

غزل (۴۲)

ہولی

بہانہ ہائے نیت ہو سے ذکر میخوارِ ہولی کا / مقدس ہے مبارک ہے بہت تیوہار ہولی کا

فلک پر دیوتا شام و سحر ہولی مناتے ہیں / شفق کے رنگ سے ہے سر بسر اظہار ہولی کا

نہ دل میں جوش ہے گھر کے، نہ سر میں ہوش ہے تن کے / یہ سمجھا جھکا کر دست! ہے بیکار ہولی کا

دلوں سے آجکل رنگِ مسرت چھوٹ پڑتا ہے / یہی رنگِ مسرت سے ہوا اظہار ہولی کا

یہ دن ہیں کشورِ ہندوستاں میں رنگ رلیوں کے / گلی کوچوں میں کیا کیا گرم ہے بازار ہولی کا

گلال آکر کوئی پھولوں کے رخ پر لگ گیا شاید / ہوا ہے تختۂ مشق آجکل گلزار ہولی کا

یہاں پچکاریاں چھٹتی ہیں واں خوشبو کے فوارے / عمل ہر شہر سے تا دامنِ کہسار ہولی کا

خوشی سے طائرانِ نغمہ پیرا چہچہاتے ہیں / نظر آتا ہے جب سے تہوار آثار ہولی کا

شبابِ فصلِ گل ہے۔ شاہدِ فطرت پہ جوبن ہے / انہیں دیکھو یہ ہے جوئندۂ اسرار ہولی کا

رنگیلے! بانسری والے کنہیا ہو، لطف فرماؤ! / کہ ساماں ساحلِ جمنا پہ ہے تیار ہولی کا

غزلیات

(۱)

"ہندوستاں ہمارا"

گلشن اُجڑ چلا ہے اے باغباں ہمارا
چھٹنے کو تنکے تنکے ہے آشیاں ہمارا

کس دشت میں الٰہی اب خاک چھانتے ہیں
یاد بہار اپنی آب رواں ہمارا

مت چھیڑ دل جلوں کو ایسا نہ ہو کہ تجھکو
اے چرخ پھونک ڈالے سوزِ نہاں ہمارا

وہ دن بھی تھے کہ ہم تھے اور فرّ کی تھی ہماری
تھے بحر و بر ہمارے تھا آسماں ہمارا

سر رفعتِ فلک کا جھکتا تھا اپنے آگے
اُس چرخ سے بھی اونچا تھا آستاں ہمارا

اب حال یہ ہوا ہے ہم نیم جاں پڑے ہیں
پامال ہو گئے وہ رتبہ کہاں ہمارا

بے لاگ تو اگر ہو اے اتفاقِ ملکی
پائے کہیں کو رستہ یہ کارواں ہمارا

گو زیر دست ہیں ہم لیکن نہ پست ہیں ہم
لتنے کہ مٹ چکا ہو نام و نشاں ہمارا

ہندو ہیں یا مسلماں ہم اہلِ ہند ہیں سب
محروم مشترک ہے سود و زیاں ہمارا

غزل (۲)

پائمال بخت بد ہندوستاں کیونکر ہوا
گلشنِ شاداب تاراجِ خزاں کیونکر ہوا

پچھتا رہا ہوں لیکن میں اک سوال کر کے
بے چین ہوں ابھی تک اس کا خیال کر کے

"جلدی میں کہدیا یوں فخریہ میں نے اُس سے — کیوں جون ہیں نہ ہندی سارے جہاں سے اچھے"
کچھ دیر کے لئے تو خاموش ہو گیا وہ — کیسی ہے یہ پہیلی نقاد لعیں سوچتا وہ
غصے سے سرخ عارض کچھ اسکے تمتمائے — آثارِ حبِّ قومی آنکھوں سے پھر دکھائے
تیور بدل کے بولا یہ کیا کہا "او کالے"! — اچھے نہیں ہیں ہرگز ہندوستان والے
انگریز ان سے اچھے سارے جہاں سے اچھے — ہندوستانی آئے بنکر کہاں سے اچھے

بچے کی بات کیا تھی اک تیر تھا بلا کا
بیٹھا مرے جگر میں اور دل کو چیر نکلا

اچھے نہیں ہیں بیشک ہندوستان والے — کہتے ہیں ان کو ایسا سارے جہان والے
اچھے اگر یہ ہوتے ہوتی انہیں خبر کچھ — سود و زیاں پہ اپنے پڑتی کبھی نظر کچھ
اچھے اگر یہ ہوتے۔ علم و ہنر کو پاتے — چنگالِ بے زری سے اپنی تئیں چھڑاتے
اچھے اگر یہ ہوتے کچھ بافراغ ہوتے — ایجادِ فن کے قابل ان کے دماغ ہوتے
اچھے اگر یہ ہوتے رکھتے ملاپ باہم — ہونے نہ پاتے ہرگز اک دوسرے سے برہم
اچھے اگر یہ ہوتے۔ آپس میں لڑ نہ مرتے — قربان اپنی جاں کو اک دوسرے پہ کرتے

محروم سخت ہی گو کر گیا ملامت
اس ننھے جوان کی ہے یہ جرم شرارت

شیدائے سیرِ گُل تھا۔ محروم بھی اُدھر سے
جزداں بغل میں ڈالے نکلا چمن کو گھر سے

نزدیک آگئے تھے ایامِ امتحاں کے
باقی تھی کچھ پڑھائی لالے پڑی تھی جاں کے

ہم رنگِ نکہتِ گُل اُڑ کر چمن میں پہنچا
دِل ہو گیا شگفتہ گُل کے چمن میں پہنچا

ہر برگ و شاخِ گُل سے پیدا تھی شانِ قدرت
بے پردہ ہو رہا تھا رازِ نہانِ قدرت

داخل ہوئے چمن میں اس دم فرنگی بچے کئی
آئیں پئے حفاظت آیائیں ساتھ اُنکے

وہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے سب گلوں کے شیدا
گلشن کی جھاڑیوں میں پھرتے تھے تنہا تنہا

آتا تھا جنکو چلنا وہ تو ٹہل رہے تھے
اور تھے جو ننھے ننھے گھٹنوں کے بل چلے تھے

چالاک تھا نہایت ان سب میں جو بڑا تھا
گو عمر میں یہ مشکل وہ پانچ سال کا تھا

پھولوں کی اُسکے آگے نذریں گزارتے تھے
کہتے تھے جون اُسکو جس دم پکارتے تھے

جب توتلی زباں کو اپنی وہ کھولتا تھا
انگلش بھی بولتا تھا۔ اردو بھی بولتا تھا

تھا پیڑ آنولے کا اک درمیاں چمن کے
اور دار و گرد اس کے پودے تھے یاسمن کے

میں تھا کتاب پر واں سر کو جھکائے بیٹھا
تھا اُس شجر کے نیچے ڈیرا جمائے بیٹھا

اور جون اتفاقاً آ کر اِدھر سے گذرا
وہ پیارا پیارا بچہ میری نظر سے گزرا

یہ کہہ کے میں نے اُسکو آہستہ سے پکارا
اے جون اس چمن میں کیا کام ہے تمہارا

جھٹ بول اُٹھا کہ آئے ہم سیر کو یہاں ہیں
کیا پُر بہار دیکھو پھولوں کی کیاریاں ہیں

بچے کی گفتگو جب مجھ کو پسند آئی
تقریر اس طرح کی کچھ اور بھی بڑھائی

پھولوں کے نام پوچھے بوٹوں کے نام پوچھے
ایسے سوال اس سے میں نے تمام پوچھے

میری نظر میں تھا وہ اک باکمال عالم
معصوم باخبر تھا وہ خُردسال عالم

کس طرح ہو چین پر سایۂ طوبیٰ تجھے
زُود ہے تجھ سے بہت کیا سوزِ آہِ بیکساں

مادرِ مشفق! ہمارا حال ابتر ہے بہت
تھام لے اپنا جگر سُن لے ہماری داستاں

تیری شفقت ہوگئی جوشن ہمارے واسطے
جب کبھی ہم پر کھنچی یہ تیغِ جفائے آسماں

بعد تیرے کس مپرسی ہے فقط پرسانِ حال
کیا کہیں کتنا تغافل کیش ہے دورِ زماں

تیرے وعدوں پر رہا ہوتا جو کوئی کاربند
کھل گیا ہوتا کبھی کا عقدۂ ہندوستاں

ہم تو بندے تھے وفا کے اور محبت کے غلام
آج کوئی کاش کے! ہوتا ہمارا قدرداں

چین میں جا کر لڑے۔ افریقہ میں جا کر کٹے
اپنے کندھے پر اُٹھا کر تیری عظمت کا نشاں

تیری مہرِ مادری پر بک گئے ہم سرفروش
اب تلک ہے سر ہمارا اور تیرا آستاں

ہوگیا دوزخ ہمارا ملکِ جنت اب ہمیں
سوئے جنت جب چلی تو چھوڑ کر ہم کو یہاں

کس کے دل میں درد ہے۔ اتنا جو تیرے دل میں تھا
او مہارانی! بتائیں کس کو ہم رازِ نہاں

ہے مقید آہ! زندانی نہ دل میں ہے خیال
چھن گئیں تو نے جو بخشی تھیں ہمیں آزادیاں

"لِٹل جون"

موسمِ بہار کا تھا جوبن پہ گلستاں تھا
ہر تختۂ چمن پہ فردوس کا گماں تھا

شاخیں لہک رہی تھیں کلیاں چٹک رہی تھیں
اور بلبلیں گلوں پر ہر سُو پھدک رہی تھیں

شاخوں پہ شاہدانِ گل مست رنگ و بو تھے
اور محوِ نغمہ سنجی مرغانِ خوش گلو تھے

شرمندہ سازِ گوہر تھی آب و تابِ شبنم
تارا سا تھا چمکتا ہر ذرۂ تابِ شبنم

پُر فتنہ تھی ادا سی انہار کی روانی
رفتارِ نہرِ جنت تھی جس سے پانی پانی

تھیں وہ نشاط افزا اٹکھیلیاں صبا کی
جن پر فدا تھیں شیدا خوبانِ دلربا کی

صحنِ بہار خنداں خندہ لبِ چمن ہریالی
سبزے کے فرشِ مخمل پر تھی گلوں کی چھائی

ڈھونڈھتا پھرتا ہے خورشیدِ درخشاں روشنی
ہوگئی ایسی ہی کچھ نظروں سے پنہاں روشنی

مانگتا پھرتا ہے بھارت غیر سے علم و ہنر
غافل اپنے علم سے، اپنے ہنر سے بے خبر
اسکی قسمت میں بدا تھا آہ! پھرنا دربدر
ورنہ خود اُسکے خزانے ہیں پُر از لعل و گہر

ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے سامنے اغیار کے
ہے بُھلا بیٹھا دفینے گوہرِ شہوار کے

دیوبانی سی زبانِ پاک اپنے گھر میں ہے
یہ تمنائے زباندانی ہمیں کس چکر میں ہے
شوقِ جرمن دل میں ہے، انگلش کا سودا سر میں ہے
مِٹ گیا خود، غیر کا نقشہ دلِ مضطر میں ہے

فلسفے کا اپنے دفتر طاقِ نسیاں پر رہا
تاجِ اُستادی کا فرقِ انگلستاں پر رہا

اپنی بزم و رزم سب کچھ ہوگیا خواب و خیال
یاد آئیں بیاس جی، یا والمیکی کیا مجال
بچھتا جاتا ہے کچھ ایسا ہم پہ اب مغرب کا جال
جس کے نیچے سے ہوا پر کھولنا اُڑنا محال

علم و فن اور زندگی کے سارے سامانِ مستعار
دیکھئے کب تک رہے یوں دیش اپنا خوار و زار!

"یادِ وکٹوریا"

آہ ای وکٹوریا! ای مادرِ ہندوستاں
ایکہ! تیری ذات شفقت میں تھی مشہورِ جہاں
اس جہاں کو تو نے جنت کر دیا تھا فیض سے
اُس جہاں میں مل گئی تجھکو بہشتِ جاوداں
جلوہ افگن جو اس کنارِ چشمۂ کوثر ہے تو
سیلِ اشکِ خوں یہاں چشمِ رعایا سے رواں
نغمۂ مرغانِ جنت سے وہاں ہے شاد تو
اور ترا ہند محوِ شیون و آہ و فغاں

پیاسا دریا

ہوتے ہیں دنیا میں اکثر کوہ و صحرا تشنہ لب — محوِ حیرت ہوں کہ دیکھا ہے جو دریا تشنہ لب
بیکراں دریا ہے لیکن ہے سراپا تشنہ لب — تشنگی پر جسکی رو بیٹھے حبش کا تشنہ لب

روز ابرِ فیض جس کا دہر میں برسا کرے
کیا اچنبھا ہے کہ وہ اک بوند کو ترسا کرے!

تشنگی سے ہے وہ دریا سخت پیچ و تاب میں — اضطراب اتنا کہاں ہے شعلہ و سیماب میں
آہ! سرگرداں ہے کتنا جستجوئے آب میں — جھانکتا پھرتا ہے ہر جوہڑ میں ہر تالاب میں

چھانتا پھرتا ہے خاکِ دشت پانی کے لیے
موت کے منہ میں ہے جاتا زندگانی کیلیے

بندھ گئی ڈھارس جہاں اسکو سراب آیا نظر — مطمئن سا ہو گیا ریگِ رواں کو دیکھ کر
اور جب آندھی اٹھی سمجھا اسی کو ابرِ تر — اپنی ہستی سے نہ ہو اتنا بھی کوئی بے خبر

آگ دوزخ کی بجھے جس سے وہ پانی پاس ہے
پیاس سے جلتا ہے پھر بھی زندگی کی یاس ہے

ایسا دریا - آپ حیراں ہیں کہ دنیا میں کہاں؟ — پیاس کے مارے لبوں پر آ رہی ہو جسکی جاں
میں بتا دوں - بلکہ دکھلا دوں وہ آبِ بیکراں — تشنہ لب دریا جسے کہیے وہ ہے ہندوستاں

ہاں یہی بھارت ہے جو دریا بھی ہے پیاسا بھی ہے
خود دوائے درد بھی ہے درد سے مرتا بھی ہے

حاصلِ کشتِ جہاں محتاجِ دانہ دانہ ہے — رزق بخشِ دہر خود افلاس میں افسانہ ہے
آہوئے مشکیں تلاشِ مشک میں دیوانہ ہے — مہرِ شمع کرمکِ شب تاب کا پروانہ ہے

امن کی دیوی

(۱)

خوبیٔ قسمت سے کل شب خواب میں — امن کی دیوی کے درشن ہوگئے
جلوہ کچھ ایسا تھا حسنِ پاک کا — دیدہ و دل جس سے روشن ہوگئے

(۲)

ماہتاب آسا سراپا نور تھی — ہلکا ہلکا جس پہ تھا ابرِ ملال
چشمِ شفقت پاش تھی جو حیرت فزا — سر جھکا کر یوں کیا میں نے سوال

(۳)

اے کہ تجھ سے زندگی دنیا کی ہے — اور دنیا پوجنے والی تری
دشمنوں کو کیوں اداسی ہے نصیب؟ — بزم کیوں رونق سے ہے خالی تری؟

(۴)

جلوہ افروزی نہیں ہے عام کیوں — کس لئے خلوت گزیں ہے آجکل
تو جو دنیا سے ہوئی ہے گوشہ گیر — لطف جینے کا نہیں ہے آجکل

(۵)

آہ بھر کر یوں ہوئی وہ لب کشا — تنگ ہوں میں "پالسی" کے نام سے
محو حیرت اس کی عیاری پہ ہوں — قتل و غارت اور میرے نام سے

موت سے بچ کے جو اندوہِ قفس سہتے ہیں
اب وہ یوں نالہ کشِ جور و جفا رہتے ہیں

بدلے تو نے یہ لئے ہم سے بھلا کس دن کے — ذبح کر ڈالے ہیں مرغانِ چمن گن گن کے
آشیانوں کے اُڑائے ہیں سرِ گز تنکے — اب تری قیدِ مصیبت میں کمیں ہیں بن کے

بپھتاؤں پہ یہ غصہ، یہ عتاب اے ظالم!
کبھی دینا ہے خدا کو بھی جواب اے ظالم!

سروِ شمشاد کو بے مہر اکھاڑا تو نے — زرِ گل دامنِ گلزار سے جھاڑا تو نے
سبزہ و برگ نہ تھا۔ اسکو بھی لتاڑا تو نے — نقشۂ حسنِ چمن آہ! بگاڑا تو نے

دل ترے سینے میں تھا پاسِ وفا سے خالی
تیرے جذبات تھے احساسِ وفا سے خالی

جل اُٹھا پھول سے کیوں؟ داغ نہاں تھا کوئی؟ — خار کھٹکا تری نظروں میں سناں تھا کوئی؟
کج ہوا سرو سے کیوں؟ غیرِ جہاں تھا کوئی؟ — لپکا سائے پہ عبث، اسمیں نہاں تھا کوئی؟

خفقاں تھا یہ ترا جس نے ڈرایا تجھ کو
سایۂ شاخِ گُل افعی نظر آیا تجھ کو!

ہائے وہ صحنِ چمن! صحبتِ یارانِ چمن — شاہدِ بزمِ طرب وہ گلِ خندانِ چمن،
اور وہ لالہ کہ تھا شمعِ شبستانِ چمن — ہو گیا داغِ دلِ خانۂ ویرانِ چمن

تا سحر گاتے تھے جو باغ میں گانیوالے
اب اٹھا کرتے ہیں ناقوں کو وہیں سے نالے

حکم تیرا ہے کہ فریاد نہ ہونے پائے — کوئی بلبل کہیں آزاد نہ ہونے پائے
دہر میں شہرتِ بیداد نہ ہونے پائے — اور مشہور یہ رُوداد نہ ہونے پائے
"نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے — گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے"

تباہ کار! وطن کے سپوت ہیں یہ لوگ   گرینگے صاعقہ بنکر شرار ہو کے چلے

وہ دن قریب ہے جب تو ہماری سرحد سے

خراب و خستہ و زار و نزار ہو کے چلے

شکوۂ صیّاد

موسمِ گل میں جو رہ رہ کے چمن یاد آئے   ہمنوا! لب پہ نہ کیوں شکوۂ صیّاد آئے

پھر سرِ کنجِ قفس نکہتِ برباد آئے   آئے پھر لوٹے غبارِ دلِ ناشاد آئے

آتشِ حسرتِ گلگشت سوا ہوتی ہے

اُخ رے گلشن کی بھی کیا خوب ہوا ہوتی ہے

یادِ ایامِ بہاراں! کہ چمن تھا ہم تھے   باغباں بر سرِ کیں ہم سے نہ تھا بیغم تھے

روز و شام و سحر عیش و طرب پیہم تھے   اپنے جلسے بھی کبھی غیرتِ جشنِ جم تھے

مستِ صہبائے مسرت تھے کہ آزاد تھے ہم

اُڑتے پھرتے تھے ہر اک سمت کہ دلشاد تھے ہم

تھا میسر ہمیں گلزار مگر اے وائے مقدر! صیّاد   دشمنِ مہر، جفا پیشہ، ستمگر صیّاد

آگیا دامِ بلا دوش پہ لے کر صیّاد   ہو گیا بہرِ چمن فتنۂ محشر صیّاد

نغمۂ بلبلِ شیدا سے فقط لاگ نہ تھی

کون سا برگ وہ تھا جس کے لئے آگ نہ تھی

خلشِ خارِ جبیں زیست سے کر دیتی تنگ   اُن پہ خالی کئے سفاک نے بھر بھر کے تفنگ

آزما ڈالے ستم ایجاد نے سب جور کے ڈھنگ   جاں ستانی میں تامل، نہ توقف نہ درنگ

ہزار حیف فلک! تیری کینہ بازی پر — ملائے خاک میں کیا دُرِّ شاہوارِ وطن
خدائے پاک کی رحمت جناب گاندھی پر — ہمائے ہے جس کی ہر اک آرزو نثارِ وطن
جسے نہ اپنی ہے پروا نہ بال بچوں کی — فقط یہ دُھن ہے کہ ثابت ہو اقتدارِ وطن
بنا دیا ہے اُسے ظالموں نے زندانی — عزیز اہلِ وطن ہی جو افتخارِ وطن
گورنمنٹ سے فریاد اب ہماری ہے — کہ اے وطن کی مدد - اے نگاہدارِ وطن
یہ خواہ مخواہ کی ہم سے کدورتیں کیسی — اُڑائے دیتے ہیں اغیار کیوں غبارِ وطن

سمجھ کے بیکس و تنہا نہ دیں عذاب اُنہیں
شریکِ حالِ غریباں ہیں سوگوارِ وطن

ترکِ وطن

(اہلِ بجیم کی افسوسناک بربادی پر)

وطن سے آہ! غریب الدیار ہو کے چلے — نشانۂ ستمِ صد ہزار ہو کے چلے
وطن تو دے ہمیں ترکِ وفا کا تو الزام — کہ آبرو پہ تری ہم نثار ہو کے چلے
ہوائے فتنۂ دوراں سے مثلِ برگِ خزاں — چمن کی خاک سے بے اختیار ہو کے چلے
وقار اپنا تھا اے بلجیم ترے دم تک — تری تباہی پہ ہم بے وقار ہو کے چلے
پھر آئے نہ دیکھے ہمکو کہاں کہاں تقدیر — اسیرِ گردشِ لیل و نہار ہو کے چلے
ادا ہوا حقِ اُلفت ترا اے خاکِ وطن! — جُدا جو تجھ سے ہوئے تو غبار ہو کے چلے
تری فضا کی بربادیوں کو دیکھے کون — کنارہ گیر ہم اے سبزہ زار ہو کے چلے
ہمارے گلشنِ تاراج سے گذر ہو ترا — تو اس طرف سے بھی بادِ بہار ہو کے چلے
ہمارا دشمنِ ظالم تھا دشمنِ تہذیب — ذلیل ہو کے چلے آہ! خوار ہو کے چلے

قطعہ

زمیں یہ دیتی نہیں قبر۔ ورنہ سہتا کون ستم ترے فلکِ بد شعار غربت میں
ہیں دُور چشمِ عزیزاں سے اور بسرمہ صفت کیا ہی رہیں گے ہمکو غبارِ غربت میں

قطعہ

عجب نہیں کہ تری بارگاہ میں ہو قبول دعا مری ہے یہ پروردگار غربت میں
مری طرح نہ غریب الوطن ہو اور کوئی پڑے نہ اور کوئی دلفگار غربت میں
مرے نہ کوئی کشمکشِ وطن سے دُور کہیں
بنے کبھی نہ کسی کا مزار غربت میں!

جنوبی افریقہ کے مظلوم ہندوستانی

بہت ہیں قابلِ تحسیں وہ دلفگارِ وطن وطن سے دُور جو ہیں باعثِ وقارِ وطن
مٹائے ہیں جو خود اپنے نقشِ ہستی کو جمائے ہیں زمانے میں اعتبارِ وطن
غضب کے داغ ہیں غربت زدوں کے سینوں میں کھلا ہوا ہے یہ صحرا میں لالہ زارِ وطن
دلوں میں آہ! وہ ان کے جراحتِ پنہاں یہی وہ گل ہیں کہ ہیں مایۂ بہارِ وطن
قتیل جو رہ میں بھارت کی یوں ہوئے ہیں! یہ سُن چکے ہیں جوانانِ دیوسارِ وطن
ابھی ہیں واقفِ سوزِ وفا یہ پروانے ہزار شکر! ہے روشن ابھی مزارِ وطن
ہزاروں غنچہ و گل وقفِ جورِ گلچیں ہیں نہ محوِ گریۂ خونیں ہو کیوں ہزارِ وطن
چمن کے غنچے وہ معصوم بھارتی بچے وطن کے پھول حسینانِ گلعذارِ وطن
گئے تھے چھوڑ کے گھر ان مصیبتوں کے لئے اسی لئے کہ ہوں غربت میں بیقرارِ وطن

غریب الوطن

(لالہ لاجپت رائے کی جلاوطنی پر)

وطن کی یاد میں ہوں بیقرار غربت میں
کوئی رفیق نہ مونس نہ یار غربت میں!

قدم کو چومنے آتے ہیں خار غربت میں
بغیر اس کے نہیں کچھ وقار غربت میں

جگر کے داغ ہوئے لالہ زار غربت میں
یہی ہے گوشۂ فصلِ بہار غربت میں

دیارِ غیر کو پنجاب ہم بنا دیں گے
ہوئے ہیں دیدۂ تر اشکبار غربت میں

جو دن پہاڑ سا ہے۔ رات اس سے بھاری ہے
کٹیں تو کس طرح لیل و نہار غربت میں

جگر سے ہوک سی اٹھی۔ آہ! جبکہ یاد آیا
عروسِ صبحِ وطن کا نکھار غربت میں

کسی کا سرمۂ دُنبالہ دار دیکھ کے ہم
ہیں کھاتے قلب و جگر پر کٹار غربت میں

ہے یاد آئی وہ شبنم وطن کے باغوں کی
غریب روتے ہیں زار و قطار غربت میں

بندھی ہے رشتۂ یادِ وطن میں اے ہمدم!
کہاں نکلتی ہے جانِ نزار غربت میں

نسیمِ صبح! اٹھا کر وطن کو لے جانا
خراب ہو نہ ہمارا غبار غربت میں

وطن کا یار کبھی کوئی شاید آ نکلے
ہیں کب سے بیٹھے سرِ رہگذار غربت میں

کہاں وہ بزمِ رفیقاں وہ محفلِ یاراں
حواس کو بھی ہوا انتشار غربت میں

جو تیغِ حبِ وطن سے وطن میں کھائے تھے
ہوئے ہیں زخم وہی آشکار غربت میں

وطن! تجھے بھی ہمارا ہے درد؟ سچ کہنا!
ہمیں ترے غم میں تو ہم سوگوار غربت میں

(قطعہ)

نسیم! کون کہے اپنی [illegible]
ہے صبح و شام ترا انتظار غربت میں

پیامِ مرگ ہمارا وطن میں دے دینا
نہیں ہے زیست کا کچھ اعتبار غربت میں

آسماں ہائے! مٹانے کو جو تیار ہوا — بے طرح ہر کہ و مہ در پئے آزار ہوا
تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

کب سے پامالِ جفا ہوتی چلی آئی ہے — ہدفِ تیرِ بلا ہوتی چلی آئی ہے
کشتۂ تیغِ قضا ہوتی چلی آئی ہے — یونہی مظلوم سدا ہوتی چلی آئی ہے
تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

جس کی دولت سے ہوا ایک جہاں مالامال — جس کے دریائے کرم سے کبھی دنیا تھی نہال
آجکل گردشِ افلاک سے ہو کر پامال — سامنے غیر کے پھیلاتی ہے دامانِ سوال
تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

روز و شب چرخ پہ جب شمس و قمر آتے ہیں — اگلے نظارے نگاہوں کو نظر آتے ہیں
یاد ایامِ کہن شام و سحر آتے ہیں — دن کہاں گزرے ہوئے بارِ دگر آتے ہیں!
تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

نہ رہی اپنوں میں کچھ بوئے محبت باقی — نہ پرایوں میں ہیں آثارِ مروت باقی
نہ ہے دولت نہ ہے شوکت نہ ہے عزت باقی — دہر میں رہ گئی اک خواری و ذلت باقی
تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

کھانے کو رہ گئی کیا اک بدنصیب گائے

تو عضو عضو میرا کانٹے گا کاٹ ظالم! | ہر کس نے تجھے لگا دی یہ خوں کی چاٹ ظالم
دریائے غم کا میرے چوڑا ہے پاٹ ظالم! | ہاں پار اتار مجھ کو خنجر کے گھاٹ ظالم!

کاٹے تو اپنا بویا۔ اپنے کئے کو پائے
دیتی یہی دعا ہوں میں بدنصیب گائے!

بھارتِ ماتا کیوں روتی ہے

مضطرب کس لئے یوں ہوتی ہے بھارت ماتا | روتی ہے۔ جان حزیں کھوتی ہے بھارت ماتا!
داغِ افلاس کو یوں دھوتی ہے بھارت ماتا | دانۂ اشک پڑی بوتی ہے بھارت ماتا!

تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

مادرِ مشفق و غمخوار ہے بھارت ماتا | غمِ اطفال میں بیمار ہے بھارت ماتا
فکرِ روزی میں بہت زار ہے بھارت ماتا | آجکل زیست سے بیزار ہے بھارت ماتا

تمکو معلوم ہے۔ کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

نہ تسلی ہے کسی کی نہ دلاسا۔ افسوس! | مرضِ غم کا نہیں کوئی مداوا افسوس!
نہیں غمخوار کوئی اپنا پرایا افسوس! | بیکسی دیکھ کے پھٹتا ہے کلیجا افسوس!

تمکو معلوم ہے۔ کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

دل ملا سختیٔ ایام کے سہنے کے لئے | جگرِ خوں شدہ ہے آنکھ سے بہنے کیلئے
دستِ پا کس نے دیئے تھے اسے گہنے کیلئے | کہ بنے زیورِ زنجیر میں رہنے کے لئے

تمکو معلوم ہے کیوں روتی ہے بھارت ماتا؟

جس نے کی اس سے محبت وہ گرفتار ہوا | چارہ گر اس کا ہوا جو۔ وہی بیمار ہوا

ہو صیدِ زار مجھ سا اور روسیت پا جائے
بے طاقت و ناتواں ہوں میں بد نصیب گائے

کھانے کو خشک بھوسہ تو نے دیا سو کھایا — کب وقت پر کھلایا؟ کب وقت پر پلایا؟
لیکن میری زباں پر شکوہ کبھی نہ آیا — پھر بھی تو نے کے آیا دوشہ دھلا دھلایا
بچھڑے کو دور باندھا تڑپا کیا وہ ہائے!
اور دیکھتی رہی ہوں میں بد نصیب گائے

میں نے دیئے وہ تجھ کو اپنے جگر کے ٹکڑے — تیرے ستم سے زخمی ہیں آہ! جن کے کندھے
ہر سو جو کھیت تیرے ہیں سبز لہلہاتے — ثمرے ہیں سوچ! سارے یہ کن کی محنتوں کے
کھینچے جنہوں نے چھکڑے اور تیرے ہل چلائے!
آخر انہی کی ماں ہوں میں بد نصیب گائے

میری مروتوں نے افسوس! مجھ کو مارا — دیتی تھی دودھ سیروں جنگل سے کھا کے چارا
بیدرد کو ستم پر کس بات نے ابھارا — نیکی کا بدلہ نیکی پہلے تھی آشکارا
انسان نے پر نئے اب قانون کچھ بنائے
وہ اشرفِ خلائق! میں بد نصیب گائے!

افعال سے بشر کی نت خشک سالیاں ہیں — باغِ جہاں کی جس سے پژمردہ ڈالیاں ہیں
کیا بدرواجیاں ہیں! کیا بدخصالیاں ہیں! — ہم پر بھی اس کے باعث سو بدحالیاں ہیں
جلتے ہیں اس میں ہم ہی جو آگ یہ لگائے
بچکر کدھر کو جاتی میں نصیب گائے!

محسن کشی یہ اپنے شکم کی خاطر — فعلِ زبوں کو تیرے ہے دیکھتا وہ ناظر
در پیش ہے تجھ کو ظالم! روزِ جزا ہے آخر — فکرِ مآل کر لے! ورنہ ہوں میں تو حاضر
گھی دودھ اور مکھن دل کو ترے نہ بھائے

بد نصیب گائے

دُنیا میں رہ کے میں نے صدمے جو ہیں اُٹھائے   میں تجھ کو گر سناؤں۔ تو سُن کے سہم جائے
دریائے شِیر کل تک جس گھر میں ہیں بہائے   اب خوں بہے گا میرا اس گھر میں ہائے ہائے!
ہوگا ثوابِ اعظم گر تو مجھے بچائے
او جانے والے! میں ہوں اک بدنصیب گائے

کل شب سے اپنا ماتم اس گھر میں کر رہی ہوں   تیور ہیں سب کے بدلے میں دل میں ڈر رہی ہوں
آ اے اجل! کہ پہلے مرنے سے مر رہی ہوں   جلدی گزر تو مجھ پر۔ جاں سے گزر رہی ہوں
آقا کی آرزو ہے مجھ پر چھری چلائے
ہوں کب سے سر جھکائے میں بدنصیب گائے

میں بدنصیب گائے اِس گھر میں جب سے آئی   سختی پہ تازہ سختی ہر روز اِک اُٹھائی
وہ تشنگی! وہ فاقے! بچوں کی وہ جدائی   اب منتظر ہوں تیری اے جورِ انتہائی
کب سر جدا ہو تن سے کب دل کو چین آئے
سو جاؤں نیند اپنی میں بدنصیب گائے

بچوں کو جس کے پالا سو نعمتیں کھلا کر   اب مائلِ جفا ہے خنجر وہی اُٹھا کر
دے دے عذاب لاکھوں دل کو جلا جلا کر   تقدیر مجھ کو مارا تو نے ستا ستا کر
انصاف کس سے جا کر چاہیں ترے ستائے
چپ ہو رہو گی آخر میں بدنصیب گائے

کس کس کے مجھ کو تو اے سفاک باندھتا ہے   یعنی مرا تڑپنا تجھ کو ڈرا رہا ہے
تڑپوں کہاں یہ طاقت! اب مجھ میں کیا دھرا ہے   خنجر چلا چلا تو! سر جھکا ہوا ہے

شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

لاکھوں میں تجھ کو پا کر شایانِ مرزبانی حق نے تجھے عطا کی دُنیا کی حکمرانی
کی مجھ پہ شاہِ کابل نے آ کے مہربانی انصاف و رحم والے تیری بھی اک نشانی!

کہتی ہوں تجھ سے رو کر حالِ غمِ نہانی
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

بھولی نہیں ہے مجھ کو اکبر کی بادشاہی جنت میں روح اُس کی شاداں رہے الٰہی!
اکبر سے ہے زیادہ تیری جہاں پناہی پھر ہند میں روا ہے کیوں خونِ بےگناہی

ہے شاد کل رعایا! مجھ پر ہی کیوں تباہی؟
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

میں ہوں غریب تنہا! خونخوار اک زمانا قیصر مجھے بچانا! قیصر مجھے بچانا!
ہو جائے مجھ پہ چشمِ الطافِ خسروانہ ہے تو ہی میرا راجا! ہے تو ہی میرا رانا!

تاثیرِ آہ! میں نے ہے تجھ کو آزمانا!
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

ہندوستاں میں آنا قیصر تجھے مبارک! تختِ شہی مبارک! افسر تجھے مبارک!
طبل و علم مبارک! لشکر سب تجھے مبارک! دلی میں چترِ شاہی سر پر تجھے مبارک!

ہندوستاں کی ساری کشور تجھے مبارک!
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! ترے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

تیغ ستم کے نیچے ہے جانِ ناتواں پر
خنجر مرے گلے پر کانٹے مری زباں پر
سفاک کی نگاہیں مجھ پر کبھی ارماں پر
بسمل ہوں میں زمیں پر نالے ہیں آسماں پر
دکھ درد لیکے آئی ہوں میں ترے آستاں پر
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

دُنیا کی ساری قومیں دشمن ہیں آہ میری
لے دیکھ ہند پر ہے پڑتی نگاہ میری
اس ملک میں حفاظت کرتے تھے شاہ میری
اب ہو رہی ہے مقتل آرام گاہ میری
خوفِ اجل سے خالی ہو جائے راہ میری
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

بھارت نواسیوں کے دل میں کبھی بسی تھی
پابندیٔ اہنسا مذہب کی رہنما تھی
عظمت مری دلوں میں تھی اور جابجا تھی
یعنی عوضِ وفا کے ملتی مجھے وفا تھی
یوں خلق آہ! ساری کب مائل جفا تھی؟
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! تیرے کرم کی اُمیدوار ہوں میں

مشتاق خود نہیں ہیں مجھ کو بچانے والے
زوروں پہ آجکل ہیں ظالم ستانے والے
آنکھیں دکھا رہے ہیں چھریاں چلانے والے
ہیں مجھ کو کھائے جاتے بے رحم کھانے والے
ہیں تیرے زیرِ فرماں مجھ کو مٹانے والے
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں

یہ اُن کے واسطے گھر اور ہیں وہ مثلِ سقر
ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا!

گائے کی فریاد

(مہاراج جارج کے حضور میں)

ہر چند اک پرانی خدمت گذار ہوں میں — انساں پہ کرتی آئی تن من نثار ہوں میں
پھر بھی ستم زدہ ہوں اور دلفگار ہوں میں — دن رات شکوہ سنجِ لیل و نہار ہوں میں
ہر صبح و شام مضطر ہوں بیقرار ہوں میں
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! ترے کرم کی امیدوار ہوں میں

مجھ پر ہے ایک فتنا بیداد کرنے والی — مجھ کو ہے اک خدائی برباد کرنے والی
میں سب کو اپنی خدمت سے شاد کرنے والی — خلقت نئے ستم ہے ایجاد کرنے والی
دکھیا ہوں میں بچاری فریاد کرنے والی
بیکس ہوں بے زباں ہوں بے اختیار ہوں میں
شاہا! ترے کرم کی امیدوار ہوں میں

بکر ملیں جفائیں مجھ کو مری وفائیں — کیا واژگوں اثر ہیں یارب مری دعائیں
وہ خوں بہائیں ہمارا ۔ امرت جنہیں پلائیں — قرباں ہم ہوں جن پر چھریاں وہ لیکے آئیں
ٹالے سے میری کیونکر ٹلتی ہیں یہ بلائیں

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

جو لوگ ہند میں آتے ہیں غیر ملکوں سے — اور اس کو اپنا بناتے ہیں آ کے ماوا
وطن سے اپنے وہ آئے ہوں گو پھٹے حالوں — بدل ہی جاتا ہے دو چار دن میں حال ان کا
وہ اپنے ملک میں ہر چند کفش دوز بھی ہوں — اڑاتے دیسیوں کا تختیوں سے ہیں چمڑا
وطن میں گو نہ میسر ہوں بے نمک آلو — یہاں اڑاتے ہیں مکھن کے تشت صبح و مسا
یہ انکی شوکت و شان اور یہ عیش کے سامان — دکھائی دیتا ہے اک اک سکندر و دارا

یہی ہیں ہند سے یہ خانہ بدوش سرحد کے — سلیقہ جنہیں نہیں کوئی آدمیت کا
جو ہوتے ہند میں داخل ہیں بیچنے سوداگر — مگر سروں میں سماتا ہے لوٹ کا سودا
نہ روک ٹوک ہے انکے لئے نہ بندش ہے — تمام ملک میں پھرتے ہیں یہ مثالِ ہوا
ہے بسکہ خاکِ وطن مہماں نواز یہی — کوئی غریب آزردہ اس میں آکے ہوا

مگر جو ہند سے جاتے ہیں غیر ملکوں میں — برستے رہتے ہیں اُن پہ ہمیشہ تیرِ بلا
تمام دہر کو معلوم ہے کہ اہلِ ہند — بہت ہیں صلح پسند اور امن کے جویا
ہمیشہ رہتے ہیں قانونِ وقت کے پابند — خلافِ حکم نہیں کرتے ہیں یہ چون و چرا
تو ان پہ کشورِ امریکہ میں ستم کیوں ہے — وہ کس لئے ہیں کینیڈا میں آج شہیدِ جفا
بنائے جاتے ہیں کیوں نت نئے قانون — لگایا جاتا ہے اک اک قدم پہ کیوں پھندا؟
جوان و پیر و زن و طفل جیل خانوں میں — وطن کی یاد میں کرتے تڑپتے ہیں آہ و بکا
نہیں ہے سارے زمانے میں کوئی بھی ہمدرد — کہ جس کو جا کے سنائیں یہ ہجرِ وطن دکھڑا
ہمارے ملک میں چاندی کا ہے جنہیں سکہ — دیارِ غیر میں اپنا نصیب ہے کھوٹا

رہا جب تک سرِ تختِ حکومت — بہت خوبی سے کی اُس نے عدالت
لگی اک ٹھیس تخت و تاج چھوڑا — رشی کا درجہ پایا راج چھوڑا
جلال الدین - علی جاہ اکبر — ہوا کیا نیک دل - اللہ اکبر
ورق تاریخ کے الٹیں بھلا کیوں — لکھیں عہدِ کہن کا ماجرا کیوں
وہ روشن دل ہماری مادرِ ہند — کہ چمکا جس کے دم سے اخترِ ہند
وہی وکٹوریا جس کی محبت — سناتی تھی ہمیں پیغامِ بہجت
ہوئی کیا نیک طینت پاک و صاف — حکومت جس کی پہنچی قاف تا قاف
وہ غمخوارِ رعایا تھی یہاں تک — کہ آخر اس نے دیدی اپنی جاں تک
ہوئے ہیں پھر شہ اڈورڈ ہفتم — نہیں بھولے زمانہ جن کا ہم تم
چلے نقشِ قدم پر اپنی ماں کے — رہے ہمدرد وہ ہندوستاں کے
وہ آئے تھے پیامِ صلح لیکر — ہوئے مشہورِ عالم میں پیس میکر
ہوئے پھر جارج پنجم جلوہ آرا — رہیں وہ دیر تک پروردگارا!
ہیں ان میں سب اچھے صفاتِ شاہی — رعیت پروری و نیک خواہی
بہت کچھ ان سے ہے امید ہم کو — وہ دیں گے ہستیِ جاوید ہم کو
رہیں گی ہند کی اقوام خوشحال — کہ پایا ہے عجب شاہِ نکو فال

رعایت ہائے بیجا کی شکایت
مٹے گی ہند سے بے زور رعایت

اطاعت ایسے شاہوں کی بجا ہے — بجا کیا بلکہ ایمانِ دُوسرا ہے
اگر ہوں ایسے شاہِ نیک طینت — فروغِ نورِ ایماں ہے اطاعت

یہ فرضِ اولیں ہے ہر بشر کا
ہو بندہ نیک سیرت تاجور کا!

وہ دل پر رہے درباں کی صورت نگہبانی کرے چوپاں کی صورت

نہ ہرگز وہ روادارِ ستم ہو مسیحا بہرِ آزارِ ستم ہو

ہوں جوہر اس میں دو نورِ رحم و انصاف عجب ہیں خوبیاں دو رحم و انصاف

کرم گستر مثالِ ابرِ رحمت رعایا کی بڑھائے عمر و دولت

کرے کشور میں اپنے علم کو عام مٹائے ظاہر و باطن کے آلام

غرض جو ایسی ایسی خوبیاں ہیں بہت لازم برائے مرزباں ہیں

کرے گر اس طرح وہ بادشاہی بجا پھر نام ہے ظلِ الٰہی

رعایا کے لئے اُس کی اطاعت سعادت ہے سعادت ہی سعادت

ہوئے ایسے کئی شاہانِ پیشیں کہ با جاہ و جلال و عزّ و تمکیں

حلیم و خاکسار و پارسا تھے ہمیشہ تابعِ حکمِ خدا تھے

ابھی تک نام ہے نوشیرواں کا رہیگا، دور رہے جب تک جہاں کا

رعیت اُس پہ تھی سب مرنیوالی صداقت سے محبت کرنیوالی

ہمارا رام تھا ہندوستاں میں کہ لاثانی رہا سارے جہاں میں

فدائے رام تھی ساری رعایا کہ تھی اس کو بہت پیاری رعایا

خدا کی خوبیاں سب اس میں پاکر ابھی تک پوجتے ہیں سر جھکا کر

بہت مشہور ہے مہراج بکرم وہ بھارت ورش کا سرتاج بکرم

ریاضت کی وہ کڑیاں سہنے والا نہایت سادگی سے رہنے والا

کئے خوبی کے سارے کام اُس نے تو کی حاصل بقائے نام اُس نے

ہوا ہے اور اک راجا ہری چندر وہ اپنے قول کا پکا ہری چندر

اُٹھائی سو طرح اُس نے اذیت رہا لیکن وہ پابندِ صداقت

ہے کیسا نام دلکش ہر تری کا کروں کیا ذکر اس کی برتری کا

اس سے کیا یہ لازم آیا تم بھی عیسائی بنو ۔۔۔ کس لئے لیلاوتی دیوی سے مس للی بنو
رہ کے ہندو ۔ لڑکیو! کیا نیک رہ سکتی نہیں؟ ۔۔۔ آہ! ہندو دھرم میں اتنی بھی اب شکتی نہیں؟
بن سکیگی اب کوئی سیتا نہ ساوتری یہاں
پدمنی کوئی نہ ہوگی اب ہمارے دیش میں؟

راج بھگتی
یعنی
اطاعتِ شاہ

اطاعت بسکہ اپنا مدعا ہے ۔۔۔ قلم بھی اس کے رل چلنے لگا ہے
اطاعت باعثِ خوشنودیِ شاہ ۔۔۔ اطاعت موجبِ بہبودیِ شاہ
رعایا سے اگر خوش حکمراں ہو ۔۔۔ تو وہ ساعی پئے امن و اماں ہو
رعیت ہو اطاعت کرنیوالی ۔۔۔ تو ہوگی ملک میں فرخندہ حالی
رعیت فتنہ انگیزی کرے گی ۔۔۔ تو اپنی آپ خونریزی کرے گی
اطاعت کی مگر اک شرط ہو گی ۔۔۔ ضروری ہے ضروری ہے ضروری
وہ شرطِ اوّلیں یہ ہے کہ داور ۔۔۔ نکو خواہِ رعیّت ہو سراسر
رعایا پروری ہو کام اُس کا ۔۔۔ بہت نکلا ہوا ہو نام اُس کا
رعایا کا شفیق و راہبر ہو ۔۔۔ شفیق و مہرباں مثلِ پدر ہو
نہ ہو جس کو غرورِ تاجداری ۔۔۔ رعایا کی کرے خدمت گزاری

کس طرف جاتی ہو تم

"سیکرڈ ہارٹ سکول کی لڑکیوں سے خطاب"

کس طرف جاتی ہو تم اے بھولی بھالی لڑکیو! ہوش میں آؤ ذرا لاہور والی لڑکیو!
ہم نے مانا دھرم کی دل میں تمہارے پیاس ہے دور کیوں جاتی ہو جب دریا تمہارے پاس ہے
دھرم کا دریا ہے بھارت گیان کی گنگا ہے یہ یورپ امریکہ کے داناؤں نے خود مانا ہے یہ
کیوں نہ مائیں اس کو یہ بستی ہے کرشن اور رام کی دیوتاؤں کو بھی اب تک رٹ ہے جن کے نام کی

رہنما مذہب کے یاں بدھ اور شنکر ہو گئے
مات جن کے سامنے سارے پیمبر ہو گئے

کس طرف جاتی ہو تم اے بھولی بھالی لڑکیو! چال یہ بالکل نرالی ہے نرالی لڑکیو
بت پرستی پر اگر مائل تمہارا دل ہوا اجنبی بت دل کے مندر میں عبث داخل ہوا
اپنے مندر کم نہیں اپنے شوالے کم نہیں گھنٹہ کی ٹن ٹن سے کچھ سنکھوں کے نالے کم نہیں

ہم تو کہتے ہیں کہ گرجا کوئی بت خانہ ہے
جس میں بت پتھر کے ہیں کچھ بھی نہیں ویرانہ ہے

جس طرف جاتی ہو تم اے بھولی بھالی لڑکیو شانتی سے ہے وہ منزل آہ! خالی لڑکیو
ہے یہ مرگِ تشنہ کا جل اے لڑکیو پانی نہیں یاد رکھو اس سے دل کی پیاس بجھ جاتی نہیں
ظاہری اشکال پر مائل نہ ہونا چاہیے باطنی اوصاف سے غافل نہ ہونا چاہیے
ہم نے یہ مانا کہ دلکش ہے پیانو کی صدا اور سریلی ہے بہت مکتب کی بانو کی صدا
ماں کے شیون پر بھی لیکن کان دھرنا چاہیے باپ کی زاری کا بھی کچھ پاس کرنا چاہیے
ہم نے یہ مانا کہ استانی تمہاری نیک ہے فرد ہے۔ یکتا ہے۔ لاکھوں میں تو ملکہ ہے

زندگی اِس سرائے فانی میں — جس نے پائی اسی سے ہی پائی
ذکر اُن پھولوں کا ہے حیات افزا — موجبِ جرأت و شکیبائی
روشنی کے یہ ہیں وہی مینار
جس سے اقوام کے ہیں بیڑے پار

۲ دو راجپوت

دو راجپوت آئے دربارِ اکبری میں — اِک دوسرے سے بڑھ کر جوشِ دلاوری میں
دو نوجوانِ رعنا تصویرِ شانِ جرأت — تھے خط و خال ان کے تفسیرِ شانِ جرأت
لطف و کرم سے سلطاں اُن سے بھی پیش آیا — پوچھی جو وجہ آمد "خدمت" جواب پایا
"جوہر؟" "وفا شعاری، ذوقِ جاں نثاری!" — "اُس کا ثبوت؟" بولا وہ فخرِ تاجداری

✣

دونوں نے کھینچ تیغے جوشِ غضب میں تانے — دیکھو تو کیا نرالا جوہر لگے دکھانے
اِک دوسرے کے سینوں پر پھل جما کے پھیرے — گھوڑوں کو ایڑ دونوں اک دم لگا کے پھیرے
دونوں کی چھاتیوں سے جو نکلے پار نیزے — تھامے ہوئے تھے اب تک وہ تھم کے نیزے

✣

بیٹھا شہِ اکبر تھا حیرت زدہ ان جوہر — حسرت فزوں نکلا یہ امتحانِ جوہر
آنکھوں سے تماشا یہ دیکھا اور پیچ و تاب کھایا — رہ رہ کے دل میں اس کے پھر کچھ خیال آیا
دیوار میں گڑا ہو کر بیٹھ پرتو اس پہ ٹپکا — خاطر میں کچھ نہ لایا وسعت اس آن وجہ کا
ہر غرض ہے یہ مشکل دربار جو مرو کا — دونوں وہ خاتمہ تھا اس شاہِ نیک خو کا

حیاتِ جاوید

زندگی راحتِ دوام نہیں — زندگی رنج و غم کا نام نہیں
مطلقاً اپنے واسطے جینا — باعثِ ہستیٔ دوام نہیں
زندگی ہے تو ہے وہی اے دل! — جس میں نفسانیت کا نام نہیں
نہیں سالوں پہ کچھ مدارِ حیات — موت پر زندگی تمام نہیں
گو نفس قاطعِ حیات ہوا — پھر بھی یہ تیغ بے نیام نہیں
خاص بندوں کو ہے بقا حاصل — ذکرِ محرومیٔ عوام نہیں
بعدِ مُردن بھی زندہ ہیں وہ لوگ — اِن کی صبحِ بقا کو شام نہیں
چشمِ ظاہر سے گو ہوئے پنہاں — دِل میں کیا کر چکے قیام نہیں؟
ذکرِ جم ہے ہر ایک محفل میں — جم نہیں آج اور جام نہیں

زندہ ہیں جن کے نام جیتے ہیں
مر کے بھی وہ مدام جیتے ہیں

ہاں! اِس اے زندگی کے شیدائی — چھوڑ اندیشۂ من و مائی
رہِ خدمت میں باندھ کس کے کمر — چاہتا ہے اگر توانائی
لازمی ہے رضائے خالق کو — خدمتِ خلق سے شناسائی
حسرتِ آبِ زیست میں کیا کیا — کی سکندر نے دشت پیمائی
لے گیا وہم اس کو تا ظلمات — خواہشِ دل مگر نہ بر آئی
خاک سمجھا وہ رازِ ہستی کو — تھا وہ صحرا نوردِ سودائی
جس کو کہتے ہیں چشمۂ حیواں — وہ یہی کارِ خیر ہے بھائی

یہ دُنیا نہیں آہ! قابل تمہارے | یہاں میلے ہو جائینگے دِل تمہارے
رہینگی نہ یہ صورتیں چاند جیسی | کہ چھا جائیگی ان پہ چھایا گہن کی
رہیگی نہ یہ مُسکراہٹ لبوں پر | بدل جائینگے اِک نہ اِک روز تیور
ہوا باغِ عالم کی بگڑی ہوئی ہے | یہاں اَبتری پر سدا ابتری ہے
یہاں کوئی بھی پھول کھلتا نہیں ہے | جو کھلتے ہی مٹی میں ملتا نہیں ہے
ملے خاک میں اِس جگہ لال کتنے | روش پر ہوئے پھول پامال کتنے

کوئی ان کو دُنیائے دوں سے بچا لے
گورو کل کی گودی میں لیجا کے ڈالے

گورو کل وہ جگ سے نرالا گورو کل | وہ دُنیا کے طبقوں سے بالا گورو کل
اُمیدِ وطن کا سہارا گورو کل | وہ بھارت کی آنکھوں کا تارا گورو کل
گورو کل جو بستا ہے گنگا کنارے | بہت پُرفضا ہیں جہاں کے نظارے
جہاں تازہ ہیں رُوح اور جسم ہر دم | کہ بالکل ہے آغازِ عالم کا عالم
گورو کل جہاں راج تقدیس کا ہے | جہاں صاف پانی ہے ستھری ہوا ہے
جہاں محوِ توحید چھوٹے بڑے ہیں | ترانے جہاں وید کے گونجتے ہیں

نہ کیوں بولی جائے وہاں دیو بانی
کہ خود دیوتا ہے گورو کل کا بانی

صہبائے جوش کا ہے چھلکتا ایاغ تو — پاتے حیاتِ تازہ ہیں جس سے کہ مُردہ دل

اے آفتابِ علم! جو تو جلوہ ریز ہو — روشن ترازِ نجوم ہوں یہ ذرہ ہائے خاک
بہتر ہے جس قدر کہ تری آنچ تیز ہو — ہوتی ہے منتِ خاک اسی آنچ سے تو پاک

اے آفتابِ علم! ترا مطلع قدیم — میرا وطن ہے کہتے ہیں ہندوستاں جسے
چمکائے کاش! پھر تجھے یاں خالقِ کریم — منظور ہے ازل سے فروغِ جہاں جسے

اے آفتابِ علم! ہمالا پہ پھر چمک — پھر اپنے سنگریزوں کو لعلِ یمن بنا
ہاں ایکبار ساحلِ گنگا پہ پھر چمک — شہوار ہوں، صدف میں وہ دُرِّ عدن بنا!

گورو کل کا خیال

(دو کم سن بچوں کو دیکھکر)

فرشتوں سے پاکیزہ صورت ہیں دونو — سراپا شبیہ مسرت ہیں دونو
بہت مطمئن ہیں تبسم کناں ہیں — غضب کی نگاہوں میں معصومیاں ہیں
الٰہی یہ بچے ہیں دونو کہاں کے؟ — کہ معلوم ہوتے نہیں اس جہاں کے
یہ شکلیں تو ہیں سربسر آسمانی — کہ ہوتے نہیں ایسے انسانِ فانی
مسرت کے آثار۔ چہروں سے پیدا — جبیں سے تقدس کی صورت ہویدا
کوئی کب کہیگا بشرزاد ہیں یہ — کسی دیوتا ہی کی اولاد ہیں یہ!

دیکھیں گے گر وہ کوا۔ سمجھیں گے ہی یہ ہوا — بچے بھی ہونگے بزدل بزدل اگر ہیں مائیں
ناقص اگر ہیں مائیں۔ بچے بھی ہونگے ناقص — بچے بھی ہونگے کامل۔ کامل اگر ہیں مائیں
ہونگے وہ رہ نوردِ راہِ خدا شناسی — سوئے عبادتِ حق مائل اگر ہیں مائیں
نشو و نما نہ ہوگی۔ طاقت ذرا نہ ہوگی — صحت سے انکی کچھ بھی غافل اگر ہیں مائیں
پیدا شکم سے ان کے ہونگے تو مار و کژدم — شمشیرِ بغض و کیں سے گھائل اگر ہیں مائیں
اغلب یہ ہے کہ اُن کے بچے بھی دیو ہیکل ہوں — زمرے میں دیویوں کے شامل اگر ہیں مائیں
جبتک کہ عورتیں ہیں علم و ہنر سے عاری — ممکن نہیں کہ سدھرے حالت ذرا ہماری

آفتابِ علم

اے آفتابِ علم! ہے دلکش ضیا تری — حاصل ہے دلکو نور بھی تجھ سے سرور بھی
تیری کرن کرن میں ہے وہ جلوہ گستری — جس سے خجل ہے وادیٔ ایمن بھی طور بھی

اے آفتابِ علم! جہاں تو چمک گیا — کافور ظلمتِ شبِ اوہام ہوگئی
لیکن جہاں سے پرتو تیرا کھسک گیا — سامان شبِ اوہام کے ہیں شام ہوگئی

اے آفتابِ علم! وہ تنویر تجھ میں ہے — روشن ہے دل بھی جس سے بشر کا دماغ بھی
نرمی کی اور گرمی کی تاثیر تجھ میں ہے — تو مرہم جگر بھی ہے اور دل کا داغ بھی

اے آفتابِ علم! وہ دیتا ہے داغ تو — ہوتا نہیں ہے آدمی جس سے فسردہ دل

چاہو اگر مصیبت، ہندوستاں سے نکلے
کوشش کرو کہ پہلے اپنے مکاں سے نکلے

بچے یہ ننھے ننھے سوچو ذرا تو کیا ہیں — کہتا ہے ایک دانا "سرمایہ قوم کا ہیں"
وابستہ ان سے ساری ہیں قوم کی امیدیں — ہیں قوم کا سہارا اور اس کا آسرا ہیں
رونق انہی کے دم سے باقی ہے بزمِ ہستی — یہ گلشنِ جہاں کے گلہائے خوشنما ہیں
چشم و چراغ خانہ ماں باپ کے لئے ہیں — اور آسمانِ قومی پر ماہِ دلفزا ہیں
چھوٹا انہیں نہ سمجھو۔ ایشور نے دی بزرگی — یہ داستانِ قومی کے حرف ابتدا ہیں
گر انکی تربیت سے غافل ہیں قوم والے — یہ جان لو کہ ملزم وہ پیش کبریا ہیں
افسوس! قوم انکو مٹی میں پھینکتی ہے — یہ لعل قیمتی ہیں گوہر یہ بے بہا ہیں

عورات کو پڑھاؤ! عورات کو پڑھاؤ!
کب جاہلوں سے ہوگا بچوں کا رکھ رکھاؤ!

کانِ گہر کو کھودو۔ اس سے گہر ملیگا — کوئلے کی کان سے تو کوئلا مگر ملے گا
ممکن نہیں جہاں سے زائل ہو تخم تاثیر — جیسا درخت ہوگا ویسا ثمر ملے گا
آساں یہ تجربہ ہے خود آزما کے دیکھو — بچے کی عادتوں میں ماں کا اثر ملے گا
پہلا جو مدرسہ یاں بچوں کے واسطے ہے — تم اس کو جاکے ڈھونڈو۔ اپنا ہی گھر ملیگا
بچے کی اپنی ماں ہے یاں ہکو سب سے پہلے — جو مسٹریس ملیگی۔ جو ماسٹر ملیگا
جو کچھ بتائیگی ماں۔ جو کچھ سکھائیگی ماں — بچے میں تا بہ آخر اس کا اثر ملیگا
بچے کی لوحِ سادہ پر نقش جو پڑیگا — وہ نقش تمکو مثلِ نقشِ حجر ملیگا

بچوں کی تربیت گر جاہل کے ہاتھ میں ہے
سمجھو کہ تیغ براں قاتل کے ہاتھ میں ہے!

بچے بھی ہونگے جاہل جاہل اگر ہیں مائیں — بچے بھی ہونگے کاہل کاہل اگر ہیں مائیں

بیٹا شکنتلا نے پیدا کیا وہ نامی
مشہور جس سے بھارت یہ دیش ہے ہمارا

کس سے چھپا ہوا ہے احوال جانکی کا
خوش ہو کے اپنی جاں کو عہد وفا پہ وارا

عصمت کی دیویاں تھیں اور فخر خاندان تھیں
گنگ دھاری نیک طینت عفت مآب تارا

ایسی ہی تھیں ہزاروں ہندوستاں کے اندر
ثانی نہ جن کا تھا سارے جہاں کے اندر

تھا وہ بھی اک زمانہ ہے یہ بھی اک زمانہ
وہ علم کی حکایت یہ جہل کا فسانہ

وہ دورِ فرخی تھا یہ عہد بے رُخی ہے
سب عہد باستاں کی عظمت ہوئی روانہ

ودیا سے کرتے تھے وہ پرماتما کے درشن
اب اس سے یہ غرض ہے مل جائے آب و دانہ

آوارہ تن ہوئے خود اور عورتیں مقید
زنجیر جہل کی ہے اور گھر ہے قید خانہ

قابل نہیں ہیں ہرگز کنیائیں ودیا کے
نامنصفی سے اپنی ڈھونڈا ہے یہ بہانہ

قدرت کی نعمتیں سب دونو کے واسطے ہیں
تعلیم میں روا ہے کیوں طور غاصبانہ

حالت رہیگی کب تک ایسی ذرا بتا دے
اے گردشِ زمانہ! اے گردشِ زمانہ

ایشور نے اُن کو بخشے دل اور دماغ دونو
مردوں کے جور سے ہیں پُر داغ داغ دونو

سوتے ہوئے کب تک ہے تمکو دور جانا
جاگو سحر ہوئی ہے غفلت کا کچھ ٹھکانا!

بھارت بنا ہوا ہے کیوں نرک کا نمونہ
مشکل نہیں ہے کچھ بھی اس کا سمجھ میں آنا

جو دکھ گرہست میں ہیں وہ جہل کے سبب ہیں
تعلیم کا گھٹانا ہے پاپ کا بڑھانا

جس گھر میں بیویاں ہوں پڑھنے پڑھانے والی
دانست میں ہماری ہے سورگ وہ گھرانا

کمزور ہیں تو ہے یہ انصاف کا تقاضا
ودیا کے بل سے کیجے کمزور کو توانا

طاقت جو علم میں ہے وہ آج ہے مسلم
سب اس کو مانتے ہیں ناداں ہیں یا کہ دانا

کنیاؤں کو پڑھاؤ! کنیاؤں کو پڑھاؤ!
ہندوستاں کو ہے گر جنت نشاں بنانا

بناہ اب تو کرے تیری بیکسی تجھ سے
کہ آنکھ تیرے عزیزوں نے پھیر لی تجھ سے
وہی جو کہتے تھے دیوی تجھے سعادت کی
انہی کی آنکھوں میں پتلی ہے تو نحوست کی
بجا ہے گریۂ شام و سحر، بجا، تیرا
کہ دادرس نہ کوئی دہر میں رہا تیرا

مگر ہزار فلک رس ہوں تیرے نالے
مسافرانِ عدم کب ہیں لوٹنے والے
گئے وہ، جن سے کہ آباد تھی تری دنیا
خیال دل میں نہ لا انکے واپس آنے کا
بُرے بھلے یونہی دن کاٹ زندگانی کے
عذاب صبر سے سہہ دورِ عمرِ فانی کے
خدائے پاک تجھے صبر کا ثمر دیگا
وہ سہل آپ تری مشکلوں کو کر دیگا
کسی کے دل میں بھریگا وہ مہر تیرے لئے
جہاں میں عام کریگا وہ مہر تیرے لئے
کسی نگاہ کو شفقت اثر بنائے گا۔
کسی زباں کو محبت اثر بنائے گا
کریگا نرم وہ خود قلبِ اہلِ دولت کو
دکھائیگا انہیں تیرے ملال و کلفت کو
کسی کو صاحبِ لطف و کرم بنا دیگا
دیا ہے درد یہ جس نے وہی دوا دیگا

تعلیمِ نسواں

اوجِ کمال پر تھا بھارت کا جب ستارا
وِدیا کے نور سے تھا پُرنور دیش سارا
بھارت کی دیویاں تھیں علم و ہنر میں یکتا
رِشیوں سے بحث کرتیں محفل میں آشکارا
اِک ان میں منتری تھی اور ایک گارگی تھی
خود ان کا حال پڑھ لو کافی ہے یہ اشارا
لیلاوتی ہوئی ہے وہ ماہرِ ریاضی
پہنچے نہ اسکو ہرگز لاکھوں نے زور مارا

پہلو میں تڑپ تڑپ کے میرا — قلبِ تپیدہ نیم جاں ہے
آجا بھی کہ اب مریضِ ہجراں — منت کشِ مرگِ ناگہاں ہے
تو جب سے چھٹا ہے او دل آرام! — آرام نصیبِ دشمناں ہے
ہنستا ہے زمانہ سن کے یارب! — واشو نہ اثر مری فغاں ہے
دل میں ہے کسی کی آہ! تصویر — کیا قہر اے سوزشِ نہاں ہے
تھیں تجھ سے خزاں میں بھی بہاریں — اب مجھ کو بہار بھی خزاں ہے
بلبل کا ترانہ کیا سنوں میں — میری قسمت پہ نوحہ خواں ہے
پھولوں کی بہار خاک دیکھوں — گلِ داغِ جگر کا ہمنشاں ہے

محروم یہ زاریاں اِدھر سے
اور اُن کی طرف سے ہوں ہاں ہے

حرمانِ نصیب بیوہ

فلک نے لوٹ لیا ہے ترا سہاگ افسوس! — وہ سرخ جوڑا ترا تجھکو اب ہے آگ افسوس!
گری ہیں ٹوٹ کے ہاتھوں سے چوڑیاں تیری — اسیرِ حلقہ زنجیرِ غم ہے جاں تیری
نہ راس آئی تجھے تیری گیسو آرائی — کہ سر پہ ہجرِ دوامی کی کالی رات آئی
خیال آیا کسی کے شبابِ رنگیں کا؟ — کہ رُخ پہ غازہ ہے تیرے سرشکِ خونیں کا
ازل سے آہ! قضا دشمنِ مسرت تھی — بُری زمانہ سے اے بیوہ! تیری قسمت تھی
ملا ہے سوگ تجھے حیف! عمر بھر کیلئے — سدا کی اشک فشانی ہے چشمِ تر کیلئے
یہ کہ رہی ہے پریشانی تیرے بالوں کی — کہ ایسی ہوتی ہے صورت شکستہ حالوں کی

تحریر ہے حضرتِ نگم کی　　تصویرِ لطافتِ بیاں ہے
پھر کیوں نہ کرے ہر ایک تسلیم　　اہلِ دلّی کی یہ زباں ہے
حیرت زدہ اسکو دیکھکر ہوں　　آئینۂ حالِ بیوگاں ہے
آخر بھارت نہ کیوں ہو غارت　　بیوہ پہ بہت ستم یہاں ہے
کہتے ہیں کہ خاکِ کشورِ ہند　　دُنیا میں پناہِ بیکساں ہے
بیوہ کے لئے تو اس زمیں کا　　ہر ذرہ جوابِ آسماں ہے
کیوں کرتے ہیں پایمال اسکو　　فرقتِ شوہر کی کم گراں ہے
طعنوں سے دلِ غریب دائم　　تیرِ دلدوز کا نشاں ہے
فقرہ فقرہ ہے تیز خنجر　　ہر وقت جگر پہ جو رواں ہے
کیا سوگ ملا ہے عمر بھر کا　　ایسا جینا عذابِ جاں ہے
سسرال میں چین ہے نہ میکے　　دشمن ہر ایک خانداں ہے
ہوتی ہے بسر شکستہ سری میں　　اپنا بیگانہ سرگراں ہے
دُنیا میں سوائے ذاتِ باری　　مونس کوئی نہ مہرباں ہے
حافظ اللہ آبرو کا　　ہر گام پہ تازہ امتحاں ہے
بیگانۂ نغمۂ مسرت　　اپنی قسمت پہ نوحہ خواں ہے

ہے ذوقِ غزل تو آہ! لب پر
محروم کی یہ غزل رواں ہے

غزل

او مایۂ زندگی کہاں ہے؟　　فرقت تیری عذابِ جاں ہے
دریائے فراق آہ! تیرا　　طوفانِ خیز اور بیکراں ہے

لکھی تھی خانہ ویرانی پریشانی مقدر میں — گھروندے جو بناتے تھے بگڑ جاتے تھے جو گھر میں
ابھی سے خانماں برباد ہے طفلی کا رونا ہے — پڑی ہے عمر اور باقی نہیں کچھ دیدۂ تر میں
مدارِ زندگی اللہ والوں کے کرم پر ہے — الٰہی اور بھی بھر دے مہر قلبِ مہر پرور میں
ہماری یاد بھی دل میں ہے او نیکدل منعم! — تو اپنے بال بچوں میں ہو شاداں جس گھڑی گھر میں
ہماری بیکسانہ سردیوں کا بھی خیال آئے — تو محوِ بسترِ راحت ہو جب تو نرم و گرم بستر میں
ہماری شامِ تنہائی کا منظر بھی نظر میں ہو — ترا بچہ ہو محوِ خواب جب آغوشِ مادر میں
تری چشمِ تصور میں تنِ عریاں ہمارا ہو — کرے تو جب کبھی پوشاک کو آراستہ بر میں

یہ میش و پیس ہے کیا داتا! دعائیں لے اناتھوں کی
روپے پیسے کو دانا جانتے ہیں میل ہاتھوں کی

حیاتِ بیوہ

(بابو ڈپٹی لال نگم کی کتاب "حیات بیوہ" پر تقریظ)

کس کشتۂ غم کی داستاں ہے — ہر صفحہ کفن، سوِ خونچکاں ہے
سطریں ہیں سب گیسوئے پریشاں — صورت ماتم کی بیگیاں ہے
اے آہ! سوادِ روشنائی — آہِ دلِ زار کا دھواں ہے
ہر ایک کشش ہے نیزۂ غم — ہر دائرہ چشمِ خونفشاں ہے
جو سین ہے مُشترِ الم ہے — حسرت افزا ہے، جو بیاں ہے

افسانہ کوشلیا کا اے دل
غارتگرِ طاقت و تواں ہے

فریادِ یتیم

زباں پر ماجرائے دردِ دل لائیں تو کیا لائیں — ہم اپنے سوزِ غم سے کس لئے اوروں کو تڑپائیں
جو دنیا شاد بستی ہو بسے صبحِ قیامت تک — ہم اپنے شور و شیون سے قیامت کس لئے ڈھائیں
دکھائیں کیوں امیروں کو ہم اپنے فاقہ کش چہرے — کسی کی عیش و عشرت میں بھلا ہم کیوں خلل لائیں
کسی کے رنگ میں کیوں بھنگ ڈالیں اپنی نالوں سے — بلا سے زیست کے دن فاقہ مستی میں گزر جائیں
جگہ تھوڑی سی بھی دے دے اگر زمیں تو اپنے داماں میں — کسی کو تاکہ ہم داغِ تنِ عریاں نہ دکھلائیں
نکل دل سے نہ یوں اے آہِ سوزاں منتیں تجھ سے ہی — کسی کے باغ میں کلیاں مسرت کی نہ مرجھائیں
یہ سب کچھ ہی بجا لیکن بسر ہو زندگی کیونکر؟ — اگر ہنسیں تو کیا ہنسیں؟ اگر کھائیں تو کیا کھائیں

کرم ایسے کاش! ہم پہ بے طلب اہلِ کرم کرتے
حیا آتی ہے ہم کو اس طرح اظہارِ غم کرتے

کسی کی چشمِ حیراں کے رہے نورِ نظر ہم بھی — کسی خستہ جگر کے آہ! تھے لختِ جگر ہم بھی
ریاضِ دہر میں حاصل ہوئے ہم بھی ریاضت سے — ہوئے آخر کسی کے شاخِ ارماں کے ثمر ہم بھی
کہاں قسمت میں تھا رہنا وگرنہ نور برساتے — کسی کے مطلعِ امید پر مثلِ قمر ہم بھی
بھٹکتے پھرتے ہیں بیچارہ مثالِ دشت دنیا میں — کسی کے گھر میں تھے رونق فزائے بام و در ہم بھی
مقدر میں تھا تاراجِ خزاں ہونا یونہی ورنہ — شگفتہ آج ہوتے صورتِ گلہائے تر ہم بھی
بنا دی آج گردِ بیکسی نے اور ہی صورت — کبھی تھے آہ! آب و تاب میں مثلِ گہر ہم بھی
جو ناز اپنے اٹھاتے تھے اٹھے ناکام دنیا سے — انہیں کے ساتھ کرتے کاش! سامانِ سفر ہم بھی

نظر آتا نہیں دنیا میں جز ذاتِ خدا کوئی
سنے کیا اپنے دردِ بیکسی کا ماجرا کوئی

ہولی

ہے رنگ فشاں کوچہ و بازار میں ہولی
محفل میں کہیں ہے، کہیں دو چار میں ہولی
ہر غنچے کا مُنہ سُرخ ہے، ہر برگِ چمن سبز
کھیلا ہے کوئی آن کے گلزار میں ہولی
کچھ راگ کے جلسے ہیں تو کچھ رنگ کے جلسے
ہر رنگ میں، ہر راگ میں، ہر تار میں ہولی
ہے رنگ کسی رِیشِ مُبارک میں دکھایا
بکھری ہے کہیں طُرۂ طرار میں ہولی
بس ہوگئی اِس فصل کے آتے ہی ہویدا
پنہاں جو تھی رنگِ رُخِ دلدار میں ہولی
جائیگی تو جائے گی بہار اپنی لٹا کر
آئی ہے جو اَنانِ طرحدار میں ہولی
محروم کے اشعار نہ ہوں کس لئے رنگیں
الفاظ بھی ہیں کھیلتے اشعار میں ہولی

احباب مُبارک ہوں یہ ہولی کے نظارے
اِک بزم میں ہولی نے کیا جمع تو بارے!

اے ہند! مُبارک ہو تجھے رنگ فشانی
ہولی ہے ترے پاس کبھی کی نشانی
رنگیں تھا خود اس رسمِ فرح بخش کا موجد
البیلا تھا بچپن، تو غضب اسکی جوانی
کیا دور تھا، کیا طور، سماں اور ہی کچھ تھا
دنیا میں کوئی مُلک نہ تھا جب ترا ثانی
وہ دورِ صداقت، وہ محبّت کا زمانہ
اب یاد بھی یاروں میں ہوئی جس کی پرانی
وہ عہدِ مبارک تو نہیں آئیگا واپس
باقی ہے ترے پاس یہی اس کی نشانی
ہولی وہی آخر کو جو ہونی تھی ترے ساتھ
جب گردشِ ادوار ہوئی دشمنِ جانی
یارانِ وطن گرچہ فلک بر سرِ کیں ہے
پر ہم نے تو اب دل میں یہی بات ہے ٹھانی

لائیں گے اسی عہد کو پھر اپنے وطن میں
پھر رنگ نیا بھرتے ہیں تصویرِ کہن میں!

کِھلنے لگا ہے پھر گُلِ صد برگِ آسماں
تیرے بغیر یہ بھی تو پژمُردہ تھا بسنت!

سرسوں کے کھیت پھول رہے ہیں ہر اک طرف
جنگل میں یا بکھیر رہا ہے طلا بسنت

لوٹنے پڑا ہے سبزہ تو پی کے جامِ عیش
از بس کہ ہے نشاط ترا مدعا بسنت

ملبوسِ سبز ہر شجرِ کہنہ کو دیا
بوڑھوں کو آ کے تو نے جواں کر دیا بسنت!

تاثیر تو نے دی ہے یہ رنگِ گلال کو
رنگیں ہے طائرانِ چمن کی نوا بسنت!

بلبل کو گل۔ چمن کو مبارک ہو یہ بسنت
یارب مرے وطن کو مبارک ہو یہ بسنت

پہلو میں کھل رہا ہے مرے لالہ زار آج
حُبِّ وطن کے زخم سے ہوں دلفگار آج

مطرب! کوئی ترانۂ دلکش سنا ہمیں
ہو دل سے تا کہ دور غمِ روزگار آج

یکجا ہوئے ہیں چند جوانانِ زندہ دل
دل کھل کے تا بسنت کی لوٹیں بہار آج

ہے عندلیبِ صحنِ گلستاں ہر نغمہ زن
یا ایک بزمِ نو میں ہے میرا گزار آج

محروم! یہ وہ محفلِ عیش و نشاط ہے
انجم کی بزم جس سے ہوئی شرمسار آج

ریحان و سرو و لالہ و گل کی یہ بزم ہے
رنگِ سخن کی تو بھی دکھا دے بہار آج

اِک گلستاں کے جمع ہوئے ہیں گل و ثمر
اس بزم پر بسنت نہ ہو کیوں نثار آج

اِک آسماں کے انجمِ تاباں ہیں ایک جا
کافور کیوں نہ ہو غمِ شب ہائے تار آج

فصلِ بہار تم کو مبارک ہو دوستو!
یونہی سدا ہو جیسے کہ ہو کامگار آج

اس محفلِ فراغ میں تم سب کو دیکھ کر
دیکھا ہے اپنی قوم کا میں نے وقار آج

اس بزم کے مقاصد و مطالب کو دیکھ کر
کچھ مطمئن ہوا ہے دلِ بیقرار آج

محروم مانگتا ہے دعا آپ کے لئے
درگاہِ ایزدی سے بصد انکسار آج

پُر رونق و نشاط تمہاری کلب رہے!
اور اس کے ممبروں پہ سدا فضلِ رب رہے!

تو بینائی کا حاصل کر ہی لیتیں مدعا آنکھیں

ہر اک منظر ہی دلکش، دلکشا ہر اک نظارا ہے | کہ ہر مظہر میں خود حسنِ حقیقی جلوہ آرا ہے
چمن میں پھول کوئی یا فلک پر کوئی تارا ہے | تو خوبئ ازل کا یہ بھی، وہ بھی اک شرارا ہے

گزر کر صورتِ اشیائے عالم سے اگر دیکھیں
تو حسنِ پاک کو آنکھوں کے آگے جلوہ گر دیکھیں

مگر یہ دیکھنا ہم کو نہ آیا۔ وائے نادانی! | نہ دیکھا یہ چشمِ بینا نے، نہ دل نے بات پہچانی
پشیمانی ہے دل میں اور نظر میں ہے پریشانی | نہاں پردے میں ہی پردوں میں ہے وہ حسنِ پنہانی

نہ رکھا بھول کر بھی راہِ عرفاں پر قدم ہم نے
اٹھائے دور پئے منزل سے گو لاکھوں ستم ہم نے

بزمِ بسنت

بھرا ہری ہائی سکول ڈیرہ اسمٰعیل خان کی اولڈ بوائز کلب کے ایک جلسہ میں پڑھی گئی

باغِ جہاں میں پھر ہوا جلوہ نما بسنت | ہر برگ نے زباں سے کہا "مرحبا بسنت"
پھر آمدِ بہار کا مژدہ لئے ہوئے | آیا ہے کیا پہن کے بسنتی قبا بسنت
پھاگن کے تان چھیڑ دیئے بلبلوں نے پھر | قدرت کا باغباں جو گانے لگا بسنت!
دامانِ آرزوئے چمن کو برنگِ نو | آکر گلِ مراد سے تو نے بھرا بسنت!
بلبل کو نغمہ ہائے فرح بخشِ دل دیئے | اور گل کو تو نے خندۂ دلکش دیا بسنت
ممکن ہے پائیں غنچہ و گل عمرِ جاوداں | لایا ہے مشکِ ابر میں آبِ بقا بسنت
ہر شاخِ گل سے زمزمۂ عیش چھیڑ کر | گاتی ہیں بلبلیں تری مدح و ثنا بسنت!

کہ جس کے دیکھنے سے دیدۂ انساں میں نور آئے
وہ نورِ جاں فزا جس سے نظر پر کوہ طور آئے

بسنتی آجکل جوڑا ہر اک گل پیرہن کا ہے   جہاں دو چار لیتے ہیں وہی تختہ چمن کا ہے
یہ موسم آہ! دلکش کس قدر اپنے وطن کا ہے   وطن ہر چند کشتہ گردشِ چرخِ کہن کا ہے

نئی سج دھج سے آتی ہر برس ہے یاں بہار اب بھی
بوقتِ صبح چلتی ہے نسیمِ عطر بار اب بھی

شگفتہ لالہ و گل اب بھی ہوتے ہیں بہاروں میں   وہی ہے لہلہی اب بھی وہ آب بھی سبزہ زاروں میں
وہی اب ہے جو پہلے تھا ترنم آبشاروں میں   دکھاتی ہے کرشمے اب بھی قدرت کوہساروں میں

نظارے ہیں وطن کے دلنشیں جیسے کہ پہلے تھے
مگر افسوس ہم ویسے نہیں جیسے کہ پہلے تھے

نہ وہ دل ہے۔ نہ ہے وہ دیدۂ معنی نگر باقی   بزرگوں کی فضیلت کا نہیں ہم میں اثر باقی
کمالات انکے باقی ہیں نہ وہ علم و ہنر باقی   جو یاد انکی ہے وہ سینوں کے چرکے ہیں پر باقی

امینِ معرفت کہتے ہیں اب تک جنکے سینوں کو
ستم ہے آہ زمیں تو کھا گئی ایسے دفینوں کو

ہمارے پیشرو ماہیتِ عالم کے جویا تھے   یقیناً صورت و معنیٔ اشیا کے شناسا تھے
وہ تھے پاکیزہ دل صورتگرِ ہستی کے شیدا تھے   اسکی جستجو میں سر سے پاؤں تک تمنا تھے

اسی باعث تو ان پر ہو گئے چودہ طبق روشن
ہیں اب تک دہر میں انکے نوشتوں کے ورق روشن

جو ہم بھی کچھ پاتے خالقِ فطرت کو فطرت میں   تو پھر کیا تھا سمجھ جاتے حقیقت کو حقیقت میں
دلِ بیتاب ہوتا غوطہ زن دریائے حیرت میں   تو ہوتا گوہرِ نایاب اپنے دستِ قدرت میں

ہماری کاش! ہو جائیں کبھی اسطرح وا آنکھیں

نویدِ بسنت

بسنت آیا ہے پھر اک شاہدِ رنگیں ادا ہو کر — سراپا حسن ہو کر جلوۂ صبر آزما ہو کر
چمن میں کھول دیں نرگس نے آنکھیں فتنہ زا ہو کر — صبا آتی ہے گلشن سے دمِ معجز نما ہو کر!
بہارِ جاں فزا آنے کو ہے پھر باغِ امکاں میں
نئی آرائشیں ہیں گلشن و کوہ و بیاباں میں

نکلتی سردیاں ہیں حالتِ عالم بدلتی ہے — دلِ افسردہ سے افسردگی باہر نکلتی ہے
ندی جو منجمد تھی پہلے اب کم کم وہ چلتی ہے — کنارِ کوہ سے پھر تو وہ تودۂ برف ڈھلتی ہے
شجر آمادہ ہیں پھر پھولنے کو اور پھلنے کو
پرانا پیرہن اترا - نیا جوڑا بدلنے کو

فلک پر چھا گئی پھر چھاؤنی ابرِ بہاری کی — گھٹائیں گھر کے آئیں پھر وفورِ فضلِ باری کی
ضرورت بسکہ تھی باغ و چمن کو آبیاری کی — سحابِ فیض نے آغاز اپنی قطرہ باری کی
ہوئے سیراب وہ قطعات جو پیاسے تھے کل ہرسوں
نہا دھو کر نکھر آئی بہت پھولی ہوئی سرسوں!

بہار آنے کو ہے۔ اُجڑے چمن آباد ہوتے ہیں — طیورِ نغمہ زن گاتے چہکتے شاد ہوتے ہیں
اسیرانِ بلا پھر مائلِ فریاد ہوتے ہیں — قفس میں شکوہ سنجِ سختیِ صیاد ہوتے ہیں
قیامت ہے کہ پنجرے میں پیامِ نوبہار آیا
ہر اک جھونکا صبا کا مثلِ تیغِ آبدار آیا

نیا موسم دکھاتا ہے ہر اک جانب نیا منظر — طرب انگیز اِن دنوں ہے صبح و شام کا منظر
جہاں دیکھو وہاں ہے خوشنما سے خوشنما منظر — ہے آبادی و ویرانے میں وہ مستی فزا منظر

اگرچہ دل یہ مرا ہے فدائے مقدمِ رام — یہ چاہتا ہے کہ ہو خاکِ آستانے کی
نہیں علاج کچھ اس کا کہ یادِ رام کیساتھ — ہے دل میں تازہ مرے یاد اُس زمانے کی
وہ راگھووں کا تجمّل وہ جلوۂ اقبال — نہ آفتاب کو بھی تاب آنکھ اٹھانے کی
یہ آج اپنی فلاکت، یہ پستی و ذلت — ہر اک قدم پہ ہے خواہش سر جھکانے کی

میں ہونگا روبروئے رام، آہ! کس منہ سے
کرونگا ان کے قدم پر نگاہ کس منہ سے

فلک نے روند کے اس طرح پائمال کیا — جہاں نے خاک سے کمتر مجھے خیال کیا
بزرگ اپنے کچھ ایسے ہی باکمال ہوئے — کہ جن کو خلقِ خدا نے خدا خیال کیا
میں ننگِ پیشرواں آج وہ ہوا پیدا — کہ مجھ سے شوکتِ پیشیں نے انفعال کیا
انہیں عروج سراپا بنا دیا تھا، مگر — مرے نصیب! مجھے پیکرِ زوال کیا
شمارِ مُردوں میں اپنا ہے آہ! جیتے جی — وہ دستِ گردشِ دوراں نے خستہ حال کیا
پھریں گے دن کبھی اپنے بھی گردشِ گردوں! — فلک سے میں نے یہی بارہا سوال کیا
میں اپنے دل سے ہوں مجبور اے مبارک شام! — کہ روبرو ترے اظہارِ صد ملال کیا

چمکتے ہیں دیئے رام نام والوں کے
بجھا نہ دیں انہیں جھونکے مرے خیالوں کے

ہے مہر و ماہ کو جبتک کہ آسماں پہ قیام
رہیگا دَورِ زمانہ میں ان کا روشن نام

وہ ان کے عہدِ وفا۔ وہ محبتیں اُنکی!
وہ اُن کے صدق و صفا۔ وہ سعادتیں اُنکی!

رہیگا مادرِ گیتی کو ان کے نام پہ فخر
ہر ایک بات پہ فخر اور ہر ایک کام پہ فخر!

ہزار حیف کہ وہ راہ چھوڑ بیٹھے ہم
کہ رشتہ اپنے بزرگوں سے توڑ بیٹھے ہم

جشنِ چراغاں

ہے آج جشنِ چراغاں کہ رام آتے ہیں
ہوئے ہیں نور کے ساماں کہ رام آتے ہیں

دیئے جلائے ہیں گھی کے تمام بھارت نے
ہر ایک گھر میں ہیں خوشیاں کہ رام آتے ہیں

گلِ چراغ گلِ باغ کا جواب ہوئے
ہے جوشِ فصلِ بہاراں کہ رام آتے ہیں

طفیلِ جلوۂ ارزاں بہارِ شامِ اودھ
ہوئی ہے آج دو چنداں کہ رام آتے ہیں

بھرت خوشی سے زمیں پر قدم نہیں دھرتا
ہے بالِ شوق پہ پرّاں کہ رام آتے ہیں

ہیں باغ باغ کوشلیا، سومترا دونو
ہے شامِ وصلِ عزیزاں کہ رام آتے ہیں

کہا بہشت میں دسرتھ نے مر کے ہی نکلا
ہمارے دل کا یہ ارماں کہ رام آتے ہیں

چلے ہیں گھر کو سیا، رام، لکھشمن تینوں
ہزار شکر کہ ہیں عازمِ وطن تینوں!

خوشی ہے رام کے واپس وطن کو آنے کی
اجودھیا سے اُٹھی گونج شادیانے کی

ہر ایک شہر میں ہوتی ہے آئینہ بندی
عجیب سوجھی ہے حیرت مری بڑھانے کی

نہ پوچھ مجھ سے مرے غم نصیب دل کا حال
کہ زہر لگتی ہے مجھکو خوشی زمانے کی

نگاہِ دیدۂ ظاہر میں گو چراغ ہیں یہ — چراغ ان کو نہ کہنا جگر کے داغ ہیں یہ!
جگر کے داغ ہیں! سوزِ دروں کے شعلے ہیں! — کسی کی آتشِ داغِ جنوں کے شعلے ہیں
یہ چراغ ان کو نہ سمجھو۔ ذرا اگر سمجھو — کسی کی آہِ شرر بار کے شرر سمجھو!
شرر بھی ایسے کہ گر ان کو دیکھ پائے برق — تو رُخ پہ اپنے نقابِ سحاب لے لے برق!
ہوا زمانہ کہ آتش بجاں ہے مادرِ ہند — ہے باوجودِ چراغاں سیاہ اخترِ ہند!

یہ جوشِ سوزِ دروں کی ہے فراوانی
کہ تن سے پھوٹ پڑے داغہائے پنہانی!

ہزار داغ اِسی ایک غم سے دل پر ہیں — چراغ پہلو میں میرے کئی منوّر ہیں
نہ کھینچ جانبِ بازار ہمنشیں! مجھکو — کہ دیدِ سیر کا سودا ذرا نہیں مجھکو!
ہوں بارِ تیغِ یادِ زمانِ کہن کا سینہ فگار — مجھے ہے باعثِ دردِ جگر ہر اک تیوہار
مرا نصیب ہی الٹا ہے کچھ زمانے سے — کہ جان جاتی ہے روزِ خوشی کے آنے سے
مری نظر میں تماشا ہیں آج وہ ناداں — جو محوِ سیرِ چراغاں ہیں بالبِ خنداں
بجا ہے اشک بہائیں، یہ قہقہے کیسے! — خزاں میں بلبلِ گلشن کے چہچہے کیسے؟
متاعِ عقل پہ اپنی ہنسیں جو ہنستے ہیں — کہ ملکِ ہستی میں کیسے یہ آج سستے ہیں
یہ چاؤ چوچلے افسوس فاقہ مستی ہیں — یہ بندکوں کی اُچھل کود چاہِ پستی میں
اسی پہ خوش ہیں کہ دُنیا میں زندگی تو ہے — جہاں میں کچھ ہو۔ انہیں کیا ہے اپنا جی تو ہے

مگر یہ زیست جسے موت سے بُرا کہیے
جو اس پہ مرتے ہیں کہیے تو انکو کیا کہیے

وہ ہم سے پہلے جو دنیا میں جی گئے کیا تھے — ہماری طرح وہ کب زندگی کے شیدا تھے
جہاں میں آن پہ وہ مرد جان دیتے تھے — جو آگے دھرم پہ بنتی تو پران دیتے تھے
وہ رام اور وہ بھیم [illegible] ماہِ منیر — ہے آج تن کا یہ چراغاں انہی جلوؤں کی تنویر!

بزمِ ساقی میں ہوا ایسا اہتمام اب کے برس ‏— تا بہ شیخ و شاب پہنچے دورِ جام اب کے برس
طالبانِ بادۂ حُبِّ وطن سیراب ہوں ‏— کوئی بھی رہنے نہ پائے تشنہ کام اب کے برس
پختہ کارانِ محبت کی نگاہِ فیض سے ‏— ایک ہندی بھی نہ رہنے پائے خام اب کے برس
سال کیا اچھلا ہے یہ اقوامِ عالم کیلئے ‏— ہوگئے آزاد صدیوں کے غلام اب کے برس
تا بہ کے بے اعتنائی، خوابِ غفلت تا کجا ‏— ہندیو! لِلّٰہ اُٹھو اللہ کا نام اب کے برس
منزلِ مقصود خود لینے چلی آئے قدم ‏— تم جو ہو جاؤ ذرا بھی تیز گام اب کے برس
پھر وہی تم اور وہی ہے گردشِ لیل و نہار ‏— دوستو! کرتے رہے گر صبح و شام اب کے برس

مُدّتے شد کاتشِ سودائے اندر جانِ ماست
ایں تمنا بیں کہ دائم در دلِ ویرانِ ماست"*

دیپ مالا

زہے نصیب کہ آئی ہے دیپ مالا پھر ‏— دیارِ ہند میں ظاہر ہوا اُجالا پھر
زہے نصیب! کہ آئی وہ شامِ رشکِ سحر ‏— کہ نورِ صبحِ بنارس نثار ہو جس پر!
زہے نصیب! کہ آئی وہ شامِ منبعِ نور ‏— کہ جس کے جلوے سے ہے ذرہ ذرہ رشکِ طور
ہر ایک گھر میں ہوا اہتمامِ آرائش ‏— کہ آئی بعد برس دن کے شامِ آرائش
یہ شام وہ ہے کہ کشمیر سے کماری تک ‏— وفورِ نورِ چراغاں سے سرزمیں ہے فلک!
بس آج آنکھیں دکھاتے ہیں چراغ تاروں کو ‏— دیا فروغِ چراغاں نے داغ تاروں کو
کھلے ہیں باغ در و بام پر چراغوں کے ‏— چلے ہیں شہر کو دلدادہ تھے جو باغوں کے
زمانہ شوقِ چراغاں میں یوں ہوا بیتاب ‏— چراغ بن گئے صحرا میں کرمکِ شب تاب!
مگر ہے میری نظر میں تو آج عالم اور ‏— کہ اس خوشی نے زیادہ کیا ہے غم او!

* حافظ ...

یہ جاگنے کا وقت ہے۔ غافل پڑے سوتے ہو کیا — غفلت کے کانٹے راہ میں اہلِ وطن بوتے ہو کیا
جاگو اگر کرنا ہے کچھ عمریں یونہی کھوتے ہو کیا — سستی ہے رہزنِ ایماں پر سو بہت سوتے ہو کیا
جاگو اب اے اہلِ وطن! دیکھو فضا نوروز کی

سوتا ہے یاں جو شخص وہ ناعاقبت اندیش ہے — ہے کاہلی سب کو مضر ہے شاہ وہ درویش ہے
سوتے ہو تم لیکن تمہیں منزل کڑی درپیش ہے — ہے وعظ واعظ کا یہی۔ پنڈت کا یہ اپدیش ہے
جاگو اب ای اہلِ وطن! دیکھو فضا نوروز کی

چھوڑو حسد ہو جاؤ تم اک دوسرے کے میت پھر — ہندوستاں میں تاکہ ہو تازہ وفا کی ریت پھر
سینوں میں ہاں پیدا کرو پیارے وطن کی پریت پھر — ہر اک طرف گونجا کریں حبِ وطن کے گیت پھر
جاگو اب ای اہلِ وطن! دیکھو فضا نوروز کی

نشاطِ نوروز

مژدۂ نوروز لے کر صبحِ خنداں آگئی — مژدہ ارمانوں کی جاں ہیں آج پھر جاں آگئی
مطلعِ امید سے نکلی شعاعِ جاں فروز — تا سرِ بالینِ غفلت آشنا ہاں آگئی
چونک اٹھے وارفتگانِ خوابِ غفلت چونک اٹھے — ہو چکی شب دھوپ سر پر آگئی" ہاں آگئی!
لذتِ ہستی جسے مدت ہوئی بھولے ہوئے — یاد ہم کو صورتِ خوابِ پریشاں آگئی
بھر کے آہِ سرد بولا عاشقِ اندوہگیں — مژدہ باد اے دل! نسیمِ کوئے جاناں آگئی
بن کے ساقی اے پرستو! آج صبحِ سالِ نو — لے کے جامِ آفتابِ جلوہ افشاں آگئی
مطلعِ مستانہ گاتی بلبلِ شیراز کا — عندلیبِ زار تا صحنِ گلستاں آگئی
صبحِ دولت می‌دمد کو جامِ ہمچوں آفتاب — فرصتے زیں بہ کجا یابم۔ بدہ جامِ شراب

دنیا کو میں دکھا دوں بھارت کی شان ہوکر — گاتا پھروں ہر اک جا شیریں زبان ہوکر
تیرے لیئے جیوں گا۔ تیرے لئے مرونگا!

آئیگی جو مصیبت ہنس کھیل کر سہونگا — خدمت میں تیری بھارت! باندھے کمر رہونگا
تیرا غلام ہونگا۔ خدمتگزار ہوں گا — کہتا ہوں اب بھی تجھ سے پھر بھی یہی کہونگا
تیرے لئے جیوں گا تیرے لئے مرونگا!

ترانۂ نوروز

خورشیدِ عالمتاب نے بدلی قبا نوروز کی — بستی میں کوہ و دشت میں پھیلی ضیا نوروز کی
ہے بھینی بھینی دلفزا بادِ صبا نوروز کی — آسایشِ جان و جگر ٹھنڈی ہوا نوروز کی
جاگو اب اے اہلِ وطن۔ دیکھو فضا نوروز کی

نوروز کے نغمے بہم گاتے ہیں مرغانِ چمن — مستوں کی صورت جھومتے ہیں نوجوانانِ چمن
گلہائے رنگارنگ سے بھرپور دامانِ چمن — فرطِ نمودِ گل سے ہے صحرا میں سامانِ چمن
جاگو اب اے اہلِ وطن۔ دیکھو فضا نوروز کی

ہے صبحِ صادق جلوہ ریز۔ لے کار والو اٹھو! — مردوں سے باندھی شرط کیا اے جسم جانو اٹھو
باندھو کمر اور چل پڑو تاب و توان والو اٹھو! — اب اٹھ چکا سارا جہاں ہندوستاں والو اٹھو
جاگو اب اے اہلِ وطن! دیکھو فضا نوروز کی!

جاپان کو جاگے ہوئے مدت ہوئی لیکن ابھی — تم اونگھتے بستر پہ ہو آنکھیں تمہاری ہیں مندی
ایرانیوں میں شور ہے برخیز کا اور کھلبلی — یہ جا تمہاری نیند ہے جب جاگ اٹھے ہیں یار بھی
جاگو اب اے اہلِ وطن! دیکھو فضا نوروز کی

ایک ہندوستانی لڑکے کا گیت

اے میری جان بھارت! سیوا تری کرونگا — پرانوں کے پران بھارت! دُکھ درد تیرے ہرونگا
جب تک کہ دم میں دم ہے تیرا ہی دم بھرونگا — گر جان تک بھی جائے ہرگز نہ میں ڈرونگا
تیرے لئے جیونگا تیرے لئے مرونگا!

تو نے ہی مجھکو دی ہے یہ میری زندگانی — کھاتا ہوں اناج تیرا۔ پیتا ہوں تیرا پانی
شفقت ہے تیری مجھ پر تیری ہے مہربانی — بھارت یہ بات میں نے ہے اپنے دل میں ٹھانی
تیرے لئے جیونگا۔ تیرے لئے مرونگا!

بھارت! تری محبت میرے خمیر میں ہے — اہلِ وطن کی الفت میرے ضمیر میں ہے
تیری گذشتہ عظمت میرے ضمیر میں ہے — تیری قسم! صداقت میرے خمیر میں ہے
تیرے لئے جیونگا۔ تیرے لئے مرونگا!

کیوں چرخِ سفلہ پرور تجھکو ستا رہا ہے — پیری میں اتنے صدمے تجھکو دکھا رہا ہے
کیوں سوزِ غم سے ظالم تجھکو جلا رہا ہے — یہ درد آگ دل میں میرے لگا رہا ہے
تیرے لئے جیونگا۔ تیرے لئے مرونگا!

علم و عمل کا جادہ یارب! مجھے دکھانا — تو میری لاج رکھنا اور لاجپت بنانا
رستے پہ گوکھلے کے یارب مجھے چلانا — میں نے یہ گیت گا کر بھارت کو ہے جگانا
تیرے لئے جیونگا۔ تیرے لئے مرونگا!

یارب! وہ دن بھی لانا جب ہم جوان ہو کر — بھارت کے غم میں نکلیں بے خانماں ہو کر

کشتی بھنور سے نکلی کوشش سے گر تمہاری — خوش ہو کے خلق دیگی شاباش تمکو ساری
اپنی بھی جان بچیگی عزّت بھی ہوگی بھاری — درکار ہے دلیرو اِک دم کی ہوشیاری

ہمّت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

ہمّت کرو جوانو ہمّت کے آسمانو — گر کچھ دلاوری ہے دِکھلاؤ پہلوانو
ہاں جوشِ نوجوانی ظاہر کرو جوانو — گردآزما دلیرو میدان کے یگانو

ہمّت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

دِکھلاؤ زورِ بازو، جھنجھلاؤ شیر مردو! — گر کچھ ہے بلے سمندر چھاتی کو چاک کردو
موجِ فنا کے منہ کو مٹی سے اُٹھکے بھردو — اپنی سلامتی کی بدخواہ کو خبر دو!

ہمّت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

کشتی جو قوم کی ہے منجدھار میں پھنسی ہے — کشتی سوار حیراں! حسرت ہے بے کسی ہے
مایوس ہو رہے ہیں، اور دل کو بیکلی ہے — ہے آسرا خدا کا اُمّید اِک یہی ہے

ہمّت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

کامِ نہنگِ طاعوں چاروں طرف کھلا ہے — منڈلاتی پھرتی ہر سُو افلاس کی بلا ہے
غفلت کی کالی کالی چھائی ہوئی گھٹا ہے — بہرے اگر نہیں ہو محروم کی صدا ہے

ہمّت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

ہمت کرو جوانو

اے کاش ملک اپنا خوفِ ضرر سے نکلے
اور قوم دستِ چرخِ بیداد گر سے نکلے
دیرینہ سوگ یارب ہر ایک گھر سے نکلے
اور نغمۂ مسرت دیوار و در سے نکلے
ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

لو کھل گئیں گھٹائیں، اب صاف آسماں ہے
وہ زور شور پہلا طوفان کا کہاں ہے
آئی ہوا موافق۔ تیار بادباں ہے
چپو چلاؤ یارو گر تم میں کچھ تواں ہے
ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

کیسا ہی پُر فضا ہے وہ سامنے کنارا
باغِ عدن کھلا ہے جنت ہی آشکارا
طوفاں سے بچ گئے ہو ہمت کرو دوبارا
جاں لیکے سلامت منزل کو اگر ابھارا
ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

بے فکر کیوں پڑے ہو کچھ ہاتھ بھی ہلاؤ
گرداب سے نکلکر جا ہے مُنہ سے اٹھاؤ
ساحل بھی سامنے ہے پھر بھی نہ ہو بچاؤ
غیرت ہے اپنی ہستی گر اس طرح مٹاؤ
ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

ڈوبے اگر یہاں تم یہ لوگ کیا کہینگے
ہاں تم کو ننگِ غیرت سب سست لا کہینگے
ناکارہ سست ہمت گذرا گیا کہینگے
اس سے بھی بڑھ کے شاید تم کو برا کہینگے
ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

غفلت سے باز آؤ فرصت ہے کوئی دم کی
ایسا نہ ہو کہ دیکھو پھر راہ عدم کی
چھا جائیں سر پہ ہو کر طوفاں گھٹائیں غم کی
گر جائے آسماں سے بجلی کوئی ستم کی
ہمت کرو جوانو کشتی بھنور سے نکلے!

گھر سے نکل کے دیکھو ہندوستان والو!

اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

یہ مجبوری و بینوائی کی باتیں یہ ناطاقتی نارسائی کی باتیں
زمانے کی بے اعتنائی کی باتیں یہ ہیں سر بسر جگ ہنسائی کی باتیں
اسیرو! کرو کچھ رہائی کی باتیں

اگر دانے دانے پہ لڑتے رہو گے جو اک دوسرے سے بگڑتے رہو گے
قفس ہیں اگر تم اکڑتے رہو گے پڑے قید میں یونہی سڑتے رہو گے
اسیرو! کرو کچھ رہائی کی باتیں

قفس میں تمہیں مدتیں کٹ چکی ہیں بہاریں کئی قید میں ہو گئی ہیں
چمن میں نئی آہ! کلیاں کھلی ہیں اٹھو پھر کہ ایامِ دلبستگی ہیں
اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

پھر آئی ہے گلشن میں فصلِ بہاری شہہ گل کی اتری ہے آکر سواری
کہیں زلفِ سنبل نے اپنی سنواری کہیں چشمِ نرگس میں ہے بیقراری
اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

چمن کیا ہے معشوقِ گل پیرہن ہے نرالی ہے سج دھج انوکھی پھبن ہے
بنی شاخ شاخِ غنچہ اک دلہن ہے ہوئی خلعتِ سبز زیبِ تن ہے
اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

دلکش ہیں گھر کی خوشیاں، پر وہ بھی آخر کب تک؟ — دیوار و در پہ اپنے قائم نگاہ کب تک؟
ایسی خوشی سے آخر ہوگا نباہ کب تک؟ — کب تک خیالِ حشمت یہ حبِ جاہ کب تک؟

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

علم و ہنر کا چرچا دنیا میں ہو رہا ہے — صنعت کا بول بالا دنیا میں ہو رہا ہے
سائنس کا تماشا دنیا میں ہو رہا ہے — دیکھو ذرا تو کیا کیا دنیا میں ہو رہا ہے

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

جاپان ہو کے آؤ۔ یورپ میں پھیل جاؤ — امریکہ جا کے ٹھہرو۔ افریقہ جاؤ بساؤ
کچھ ان کو جا سکھاؤ۔ کچھ ان سے سیکھ آؤ — علم و ہنر کی دولت دنیا سے کھینچ لاؤ

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

کیا کیا ہے بحر و بر میں گھر سے نکل کے دیکھو — کیا لطف ہے سفر میں گھر سے نکل کے دیکھو
ہے کیا مزا ظفر میں گھر سے نکل کے دیکھو — تم کیوں گھٹے ہو گھر میں گھر سے نکل کے دیکھو

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

کنجِ وطن کو چھوڑو۔ دیکھو فضائے عالم — دلکش ہیں۔ دلکشا ہیں نظارہ ہائے عالم!
اٹھو! اٹھاؤ بستر! کھاؤ ہوائے عالم — دیکھو بہارِ تازہ جس کو دکھائے عالم

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

ملکوں کی دوڑ میں اک اے ہند رہ گیا تو — تجھ سے نکل گئے ہیں کتنے ہی چھو کے پہلو
عالم میں ہے رواروی۔ قوموں میں ہے تگاپو — دنیا میں ہے چلا چل اک ہمہمہ ہے ہر سو

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

پیغام لا رہی ہے۔ بادِ صبا سنو تو! — کس کو پکارتی ہے۔ کہتی ہے کیا سنو تو
مغرب سے آ رہی ہے کس کی صدا سنو تو — شیدا[۵۱] کوئی وطن کا ہے کہہ رہا سنو تو!

۵۱ شیخ عبد القادر صاحب ایڈیٹر مخزن شیدا ئے وطن کا قلمی نام تھا۔ انہی کا ایک مضمون سلسلہ مندرجہ مخزن کا عنوان تھا۔ بندہ محروم نے یہ نظم لکھی

بھارت کے جب چمن میں فصلِ بہار آئے
اونچے سُروں میں ہم بھی مل کر بسنت گائیں

بھارت میں خشک سالی کا جب ہو دَور دَورہ
دریائے اشک اپنی آنکھوں سے ہم بہائیں

اہلِ وطن پہ نازل ہو جب کوئی مصیبت
درگاہِ ایزدی میں دستِ دعا اُٹھائیں

ہندوستاں کا گلشن پھولے پھلے الٰہی!
تیرے کرم کی اس پر برسیں سدا گھٹائیں

علم و ہنر کے گل ہوں ہر ایک شگفتہ
صنعت کے بیل بوٹے اپنی ادا دکھائیں

اپنے وطن کے غم میں ہے دلفگار یہ بھی
مقبول ہوں الٰہی محروم کی دعائیں

گھر سے نکل کے دیکھو!

کب تک ذلیل رہنا۔ اے آن بان والو!
کب تک یہ قعر پستی۔ اونچے نشان والو!

کب تک سلف پہ نازاں اے عزّ و شان والو
بے جِس ہو گئے کب تک اے جسم و جان والو!

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

اے اہلِ ہند! تمکو دولت بلا رہی ہے
دولت بلا رہی ہے قسمت بلا رہی ہے

صنعت بلا رہی ہے۔ حرفت بلا رہی ہے
عزت بلا رہی ہے۔ شہرت بلا رہی ہے

گھر سے نکل کے دیکھو۔ ہندوستان والو!

آئے اگر نہ چلنا۔ آبِ رواں سے سیکھو
آبِ رواں سے سیکھو۔ بادِ وزاں سے سیکھو

گردش اگر نہ آئے کچھ آسماں سے سیکھو
اُٹھنا اگر نہ جانو میری فغاں سے سیکھو

بزم نو

بھارت کے نوجوانو! اک بزم نو بنائیں
حبِ وطن کی شمعیں اس بزم میں جلائیں

ہو بزم نو ہماری خجلت دہِ گلستاں
بلبل سے بڑھ کے چہکیں گل ہو کے کھلکھلائیں

حبِ وطن کی مے کا چلتا ہو دورِ پیہم
بھر بھر کے جام و ساغر باہم پئیں پلائیں

یہ عمر اور اس میں یہ بے دلی ستم ہے
سارا زمانہ خوش ہے ہم بھی خوشی منائیں

پژمردہ ہو رہے ہیں گلہائے نوجوانی
تاراج کر رہی ہیں کیوں بس بھری ہوائیں

ہے موجبِ خجالت ہندوستاں کی پستی
اٹھو کمر کو باندھو مل کر اسے اٹھائیں

ہستی کے مدعا کو پورا کیا ہی ہم نے
اس عمر میں اگر ہم بھارت کے کام آئیں

جب ڈھل گئی جوانی اور آگیا بڑھاپا
اس وقت سر پہ نازل ہوں گی کیا بلائیں

معلوم ہے یہ کس کو کے دن کی زندگی ہے
کیوں فرض کو ہم اپنے ناکردہ چھوڑ جائیں

لیکن وہ محفلِ نو اے دوستو! کہاں ہو
کس وضع کی عمارت کیسا مکاں بنائیں

کیوں قید ہو مکاں کی محدود کیوں ہوں ہم
وسعت بھی کوئی شے ہے اس پر نظر جمائیں

وسعت طلب بنائیں دل کو تو پھر مزا ہے
ایک ایک دل میں سو سو ہندوستاں بسائیں

محفل کا صحن سمجھیں بھارت کی سرزمیں کو
آئیں کہیں بھی جائیں جلسے یہیں جمائیں

شوریدگانِ الفت رہتے تھے کب مکاں میں
یہ رسم ہے پرانی ہم بھی اسے چلائیں

اک دوسرے سے کوسوں ہم دور ہوں تو کیا ہے
مطلب یہ ہے دلوں کے کچھ فاصلے گھٹائیں

مل کر اگر نہ بیٹھیں کچھ غم نہیں ہے اس کا
لیکن دلوں کو باہم اک بزم میں ملائیں

بھارت کے غم میں گریاں اس کی خوشی میں شاداں
اپنے غموں کو چھوڑیں اپنی خوشی بھلائیں

سوتوں کو ہے جگانا، مُردوں کو ہے جِلانا — ہو گا یہ کام تجھ سے ہمّت تجھے خدا دے!
سوزِ سخن بھی ہے گر دُنیا میں چیز کوئی — اِس کا اثر دکھا دے۔ اک آگ سی لگا دے
منزل کٹھن ہے اپنی۔ اور پُرخطر ہیں راہیں — پھر سینکڑوں دوراہے۔ اک راہ پر چلا دے
سحرِ سخن سے اپنے تسخیر کر دلوں کو — نغمہ کوئی سنا دے! جادو کوئی چلا دے
قسمت سے ہے دلوں پر حاصل تجھے حکومت — جس کو ترس رہے ہیں دُنیا کے شاہزادے
بھارت ہماری ماں ہے۔ لازم ہے اسکی سیوا — کیا چاہیے ہمیں گر خوش ہو کے یہ دعا دے
ہل جائے دل زمیں کا، اور چرخ کانپ اُٹھے — اے نوجواں کڑک کر بجلی کوئی گرا دے!

دی ہے زباں بھی تجھ کو دل بھی دیا خدا نے
حُبِّ وطن کے دلکش پھر چھیڑ دے ترانے!

اک بار پھر سنا دے ”ہندوستاں ہمارا“ — اپنی زباں میں کہہ دے رازِ نہاں ہمارا
پھر زمزموں سے اپنے آباد اسکو کر دے — تیرے بغیر سُونا تھا گلستاں ہمارا
تھے تیری جستجو میں بن بن کی خاک اُڑاتے — بادِ بہار اپنی۔ آبِ رواں ہمارا
کیا حال ہے وہاں کا۔ آتا ہے تو جہاں سے — کچھ تذکرہ سُنا بھی تو نے وہاں ہمارا
ہم چل پڑے ہیں لیکن منزل ابھی ہے کوسوں — اور سخت مشکلوں میں ہے کارواں ہمارا
اپنوں کی سرد مہری نے دل جلا دیا ہے — پہنچیگا آسماں تک دُودِ فغاں ہمارا
اقبال! دیکھ اتنا کوئی نہیں سمجھتا — مٹ جائیگا جہاں سے نام و نشاں ہمارا
آپس کی دشمنی سے یہ دن نہیں ہیں ہرگز — پہلے ہی [illegible] ہمارا
یہ وقت ہے کہ کہہ دیں سب ہو کے یکزباں ہم — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

گو [illegible] راہ اپنا
اوندھا پڑا ہوا ہے اے شیخ! جام اپنا

جاگزیں دل میں ہے ہر دم سوہیتی کا خیال — ہے یہی نسخہ محبت بہرِ درمانِ وطن

ہو وطن میں یا وطن سے دور تم غربت میں ہو

حبِّ قومی جاں میں ہو اور دل میں ارمانِ وطن

سلام و پیام

فخرِ پنجاب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ لا کے
ولایت سے ہندوستان تشریف لانے کے موقع پر لکھی گئی۔

آنا ترا مبارک! یوروپ سے آنے والے! — احبابِ منتظر کو صورت دکھلانے والے

آنا ترا مبارک! اعزاز پانے والے! — ہندوستاں کی عظمت عزت بڑھانے والے

آنا ترا مبارک! با صد ہزار شوکت — ملکِ سخن میں اپنا سکہ بٹھانے والے

آنا ترا مبارک! او بلبلِ خوش الحاں — نظمیں سنانے والے! تانیں اڑانے والے

آنا ترا مبارک! او فخرِ بزمِ قومی — ہنسنے ہنسانے والے! رونے رلانے والے!

منظور کیجیے گا پہلے سلام میرا!

خدمت میں آپ کی ہے پھر یہ پیام میرا

محفل میں رنگِ الفت اے شیخ! پھر جما دے — لایا فرنگ سے ہے جو مے وہی پلا دے

پھر ہو رہی ہے ان بن کچھ شیخ و برہمن میں — انکو گلے ملا دے! روٹھے ہوئے منا دے!

ہو برہمن نمازی۔ زاہد ہو پائے بت پر — دیر و حرم کو ایسی ترکیب سے ملا دے

کلمہ پڑھیں ترا سب ہو کفر دور دل سے — ناقوس پھونک ایسا۔ ایسی اذاں سنا دے

مشہور کشوروں میں ہے سوز و ساز تیرا — اہلِ وطن کو اپنے اس راز کا پتا دے

حسنِ عالم سوز نے تجھ کو بنا کر شمعِ بزم ۔ رکھ دیا پہلو میں قلبِ مضطرِ پروانہ بھی
آتشِ سوزاں میں وہ جوہر کیا ہنگامِ رزم ۔ آجتک حیراں ہے جس پر ہمتِ مردانہ بھی

(۴)

پھرتے ہیں بنکر شفق افلاک پر شعلے ابھی ۔ بجھ گئی تجھکو جلا کر جلد گو تیری چتا
آتے ہیں چشمِ تصور کو نظر شعلے ابھی ۔ نام روشن آجتک ہے قلعۂ چتوڑ کا

(۵)

تیری قربانی کے قرباں! تونے کس شان سے ۔ آگ میں جل کر بچایا خانداں کی لاج کو
مٹ ہی جانے کو تھی دستِ گردشِ ادوار سے ۔ رکھ لیا تونے ستی! ہندوستاں کی لاج کو

نوجوانانِ وطن سے گذارش

قوم کے اے نونہالو! اے جوانانِ وطن ۔ تم سے وابستہ ہیں امیدِ گلستانِ وطن
کیا تعجب؟ اس میں آجائے نئے سر سے بہار ۔ تم اگر ہو جاؤ رونق بخشِ بستانِ وطن
کام ہوتا ہے نہ بوڑھوں سے نہ بچوں سے کوئی ۔ کیا کریں خدمت وطن کی ناتوانانِ وطن
ہیں تمہارے دست و پا مضبوط تازہ ہیں دماغ ۔ تک رہی ہے آج تمکو چشمِ حیرانِ وطن
در پئے ایذا ہے جب سے گردشِ لیل و نہار ۔ شامِ غم سے ہے مبدّل صبحِ خندانِ وطن
کیا مسیحا چرخ سے بہرِ مداوا آئیگا ۔ ہو نہ تم سے گر علاجِ دردِ پنہانِ وطن
گود میں پالا ہے جس نے تمکو اسکا حق بھی ہے ۔ کچھ اتارا چاہیے گردن سے احسانِ وطن
وہ عمل ہرگز نہ ہو جس سے کہ رسوا قوم ہو ۔ کام وہ کرنا کہ ظاہر جس سے ہو شانِ وطن
ملک کی خدمت کے لاکھوں کام سوجھیں گے تمہیں ۔ ہو اگر تم پیروِ خدمت گزارانِ وطن

یہ سوچ کے اِک زہرِ ہلاہل کا پیالہ رنواس میں بھیجا کہ پیئے کرشن کماری
رنواس میں اس وقت اٹھا شورِ قیامت اللہ نہ دکھلائے جو حالت ہوئی طاری
گھر بھر میں جو بے غم نظر آئی وہی اک تھی تیار جو مرنے کو تھی چپ چاپ بچاری
جس دم لبِ نازک سے لگا ساغرِ جانسوز ماں غش سے زمیں پہ گری اندوہ کی ماری

اِک لحظہ میں وہ شمعِ دل افروز ہوئی گُل
فی الفور ہوئی سرد کہ وہ زہر تھا کاری

ہے موت تری ہستیٔ جاوید سے بڑھ کر اے پیکرِ ناموسِ وفا! کرشن کماری
ایثار نے دی ہے وہ ترے نام کو تقدیس گردن ترے اذکار پہ جھکتی ہے ہماری

مردانہ تو قرباں ہوئی فرمانِ پدر پر
ہے رُوح تری مستحقِ رحمتِ باری

پدمنی

(۱)

پدمنی! اے مایۂ شانِ حمیت' پدمنی! نام ہے تیرا فروغِ رنگِ تصویرِ وفا
پدمنی! اے پیکرِ ناموسِ غیرت پدمنی! داستاں تیری زمانے میں ہے تفسیرِ وفا

(۲)

تُو وہ نقشِ دلنشیں اس عالمِ امکاں میں تھی تا قیامت جس پہ اترایا کرے ارژنگِ حُسن
شعلۂ حُسنِ ازل یا صورتِ انساں میں تھی تا تجھے کہیے ظہورِ جلوۂ نیرنگِ حُسن

(۳)

وہ ساحلِ مراد جسے دیکھ کر بشر — طوفاں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا چلے

کرشن کماری

تھی والیٔ میواڑ کی اک راج دلاری — نام اُس پری تمثال کا تھا کرشن کماری
رعنائیٔ صورت سے مسخر تھا زمانہ — ہر ایک پلک نیمچہ، ہر نین کٹاری
وہ طلعتِ زیبا تھی کہ خورشید و قمر بھی — کرتے تھے کھڑے شام و سحر آئینہ داری
تھی پردۂ ناموس میں مستور یہاں تک — منہ سے نہ نکالی تھی کبھی بات بھی ساری
دھوم اسکی جوانی کی مچی راجستاں میں — کتنے ہی کنور ہوگئے اُس بُت کے پجاری
کیوں آگ رقابت کی بھڑکتی نہ جہاں میں — کس طرح نہ ہوتا اثرِ شعلۂ عذاری
ہر سورما رکھتا تھا یہی دل میں تمنا — زینت مرے کاشانہ کی ہو کرشن کماری
ہر ایک ریاست میں ہجے جنگ کے ساماں — ہونے لگے احکام صف آرائی کے جاری
نوروں پہ تھے ہر سمت رقیبانِ وغا جو — بیکار حقیقت میں وہاں تھے زرو زاری

دم مارنے کی تاب نہ تھی امن و اماں کو
موقوفِ دمِ تیغ پہ تھی عہدہ براری

رانا نے جو اُس شاہدِ رعنا کا پدر تھا — سوچا کہ ہوا راجستاں کشتۂ خواری
کٹ مرنے کو تیار جوانان جری ہیں — ہو جائینگے سیلاب یہاں خون کے جاری
برسوں صفتِ تیرِ جگر دوز رہیگی — فریادِ یتیموں کی تو بیواؤں کی زاری
بہتر ہے کلیجے پہ رکھوں اپنے ہی خنجر — ٹل جائے مصیبت یہ سرِ قوم سے بھاری
بچ جائینگے یہ لوگ تباہی سے یقیناً — بیٹی مری مرجائے اگر آج کنواری

حق نے عطا کیا تجھے معراج حق روی — کس کو ملا یہ مرتبہ دنیائے پست میں

چھبیس سال گوشہ کالج میں بیٹھ کر — لاکھوں اٹھائیں تو نے مشقت کی سختیاں
ایسے ہی ہونگے جو ہوئے رشیوں میں نامور — کیا اس سے بڑھ کے ہونگی ریاضت کی سختیاں

ہستی پہ تیری مادر بھارت کو ناز ہے — تجھ سا سپوت دین ہے پروردگار کی
قربانیوں سے اپنی ہوا سرفراز ہے — پیارے وطن پہ زندگی اپنی نثار کی

وہ ہی محب قوم ہے۔ وہی خیر خواہِ قوم — تیری طرح جو قوم کی خدمت کرے کوئی
جان اور تن گھلا کے براہِ رفاہِ قوم — حاصل ازل ابد کی سعادت کرے کوئی

پنہاں نظر سے نکہتِ گل کی طرح رہا — خوشبو سے بس گیا تری لیکن مشام ہند
عالم یہ ہو بہو ہے تری کم نمائی کا — روشن ہے ماہ عید بداماں شام ہند

صفحے الٹتے جائیں گے لیل و نہار کے — لکھ لکھ مٹائے جائیں گے عنواں نئے نئے
چمکیں گے پر حروف تری یادگار کے — آتے رہیں گے تیرے ثنا خواں نئے نئے

تیری مثال اک شجر سایہ دار ہے — سائے میں اپنے راہرووں کو بٹھائیگی
انکو بڑھائیگی جنہیں نیکی سے پیار ہے — ٹوٹے ہوئے دلوں کی وہ ڈھارس بندھائیگی

یا روشنی کا ہے کوئی مینار کوہ پر — جس سے جہازِ زیست کو ساحل نظر پڑے

یہ ہمارا عہد جب ہو جائیگا عہدِ کہن — گل کھلائیگی نئے جب گردشِ لیل و نہار
ثبت ہوگا برگِ گل پر لاجپت رائے کا نام — اور گائینگی پرانے گیت گلشن میں ہزار

ہم نہ ہونگے! ہم نہ ہونگے آہ! اے چشمِ خیال
کچھ نظر آتی ہے تجھ کو گردشِ دوراں کی چال؟

شریمان لالہ ہنسراج جی

اِس عہد میں کہ دور ہے قحط الرّجال کا — اگلے مہاتماؤں کی ہے یادگار تو!
چرچا ہے سارے دیش میں تیری خصال کا — پنجاب۔ بلکہ ہند۔ کا تاجِ وقار تو!

✤

پروا صلے کی ہے نہ ستائش کی آرزو — اے رہ سپارِ منزلِ "نسکام"! آفریں
کوسوں ہے تجھ سے دور نمایش کی آرزو — اے مستحقِ خوبیٔ انجام! آفریں

✤

خالق نے دے کے جذبۂ حُبِّ وطن تجھے — ایثارِ نفس کا تجھے پتلا بنا دیا
قدرت نے مثلِ شمعِ سرِ انجمن تجھے — نورِ صداقت اور فروغِ وفا دیا

✤

کیوں سجدہ گاہِ خلق نہ ہوتے ترے قدم — بیٹھا تو لات دولتِ دنیا پہ مار کے
کھائیں گے حشر تک تری تقدیس کی قسم — ہو گئے جو انتخاب یہاں روزگار کے

✤

چاروں طرف ہے دھوم تری پارسائی کی — کیا خوب تو نے جوگ نباہا گرہست میں

ہاتھ پھیلا کے ہے آگے قوم کے تیرے لئے
قوم! تجھ پر آفریں! ہر سال رکھ لیتی ہے لاج

تو نہ ہو کالج! تو پھر کیا ہے یہ قوم بےنوا
تو ہی اس کا تاجِ زرّیں تو ہی اس کا تختِ عاج

دم سے ہے کالج ترے وابستہ عزت قوم کی
تیری رفعت میں نظر آتی ہے رفعت قوم کی

بڑھ کے اے کالج! ترا دامانِ شفقت اور بھی
ڈال دے بھارت کے سر پہ ظلِ رحمت اور بھی

اے مرے ہم عمر ہمدم! عمر ہو تیری دراز
ہو ارادوں میں ترے اے دوست! برکت اور بھی

سرعتِ برقِ تپاں ہو گو تری رفتار میں
دور ہے منزل بہت کچھ ہے مسافت اور بھی

اونچی اونچی منزلیں ہیں، مرحلے دشوار ہیں
جم کے پڑنا چاہئے پائے صداقت اور بھی

تو نے دکھلانا ہے پھر ہمکو وہی عہدِ کہن
بلکہ کرتی ہے تقاضا کچھ حمیت اور بھی

ہم پہ چلتے ہیں جہاں کے زور سے اہلِ دوَل
اور بھی، ہاں اور بھی، اے دستِ ہمت اور بھی!

ہم کہاں تھے اور کہاں پہنچے کدھر ہے ختمِ لب
دیکھ لے کچھ غور سے او چشمِ عبرت اور بھی

وقت ہے اب بھی سنبھل جاؤ! سنبھل جاؤ ذرا
ورنہ کوسوں تک ہے گہرا چاہِ ذلت اور بھی

قوم کو پستی سے مل جل کر ابھارا چاہئے
ذاتِ حق اور اپنی ہمت کا سہارا چاہئے

ہم نہ ہونگے دہر میں او ہستئ ناپائیدار!
ورنہ گلزارِ وطن کی تجھکو دکھلاتے بہار

نکہتِ گلہائے آزادی کی اُڑ اُڑ کر مہک
جائیگی ہندوستاں سے سوئے چین سوئے تتار

آئیگی بادِ سحر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی
بن سنور کر سیر کو نکلے کوئی جیسے نگار

سبزہ بیگانہ سے اٹھ جائے گی بیگانگی
ساحلِ جوئے چمن سے خوب ہوگا ہمکنار

سینۂ اہلِ چمن سے کینہ ہو جائے گا دور
دل میں پھولوں کے نہ دیکھے گا کوئی ہرگز غبار

دخل کیوں ہوگا خزاں کا گلشنِ شاداب میں
جبکہ پہرے پر کھڑے ہو جائینگے سرو و چنار

خوب ہی دکھلائیگی خاکِ وطن گلریزیاں
خونِ شہیدانِ وطن کا جبکہ ہوگا آشکار

سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ پہلو میں ترے دل کے دو پہلو ہیں، اک ہے موم کا، اک آہنیں
موم کے پہلو میں جب تیرِ غمِ اہلِ وطن آ کے لگتا ہے تو ہو جاتا ہے تو فوراً حزیں
دوسرا پہلو جو لوہے کا بنا ہے سخت ہے سختیِ ایام کا جس پر اثر ہوتا نہیں

لاجپت رائے تو بیشک آبرو ہے قوم کی
مدعا تو قوم کا ہے۔ آرزو ہے قوم کی

ملک پر نازل ہوا جب قحط سالی کا عذاب اے خدا! ہندوستاں پر پھر نہ آئے یہ عتاب
خاص کر تھا راجپوتانہ گرفتارِ بلا خلق نکلی گھر سے ہو کر خستہ و خوار و خراب
اس مصیبت پر بہائے اک جہاں نے اشکِ خوں سنگدل کوئی نہ رویا گر تو بس وہ تھا سحاب
راجپوتوں کے دلارے، ہائے وہ نازوں پلے مانگتے تھے بھیک لیکن صاف ملتا تھا جواب
پیتے تھے خونِ جگر پانی کے بدلے آہ آہ! کھاتے تھے روٹی کے ٹکڑے کے عوض مو پیچ و تاب
پائے عریاں میں چھالے تن پہ وہ گردِ سفر مارے مارے پھرتے تھے بے آب و ناں بےخور و خواب
تو نے ایسے میں غریبوں کو بچایا۔ لاجپت! تو ہی اُن سرما زدوں پر بن کے چمکا آفتاب
دل دیا ہے دردمند ایسا تجھے اللہ نے روزِ اول جو کروڑوں میں ہوا تھا انتخاب

آج کل بھی قحط کا ہر چند خدشہ کم نہیں
تو یہاں موجود ہے اے لاجپت کچھ غم نہیں!

مژدہ باد اے روحِ سوامی! مژدہ اے آریہ سماج مژدہ اے ڈی اے وی کالج مژدہ باد اے [illegible]
مژدہ اے آریہ سماج! اے منبعِ فیض و کرم گلشنِ عالم تری ہستی سے ہے شاداب آج
کس کو جرأت کس کو طاقت ہے تری تحقیر کی جبکہ ایشور نے فضیلت کا تجھے بخشا ہے تاج
کہتی ہے تیری صداقت نکتہ چیں سے برملا مجھ میں وہ جوہر ہے جس کا آئے گا دنیا میں راج
مل گیا پھر تجھ کو تیرا مایۂ عیش و خوشی وہ ترے زخموں کا مرہم تیری کلفت کا علاج
مل گیا تجھ کو پھر اے کالج! ترا پشت و پناہ جس کے ہاتھوں سے ہوئی پوری تری ہر احتیاج

آگیا اے قوم! وہ کشتی کا کھیوا آگیا
کوئی دم میں پار ہے بیڑا ہمارا اے جہاں!

لاجپت رائے وہ تیرا تجھکو واپس مل گیا
مانڈلے سے جھیل کر آیا ہے لاکھوں سختیاں

جاگ اے بھارت! ترے پہلو میں ہی پیارا ترا
سامنے آنکھوں کے ہے وہ آنکھ کا تارا ترا

جبکہ پہنچی ہند میں تیری رہائی کی خبر
قیدِ غم سے ہو گیا آزاد ہر فردِ بشر

ہو گئی وہ صبح صبحِ عید ملکِ ہند میں
مژدۂ آمد ترا لے آئی جب بادِ سحر

کون لایا تجھ کو اِس ہند میں اے لاجپت!
اپنی آہیں نارسا اور اپنے نالے بے اثر

پار ہے ساتوں سمندر کے وہ دربارِ شہی
قیصر کسریٰ عدالت جس میں ہیں خود جلوہ گر

دور ہے ہندوستاں سے کس قدر وہ بارگاہ
مار سکتا ہے وہاں بھارت کا پنچھی جا کے پر؟

جذبۂ الفت ہمارا کھینچ کر لایا تجھے؟
آہ! پر آئی کہاں سے ہمیں طاقت اس قدر

تیری معصومی تجھے لائی یہاں اے لاجپت!
تجھکو تیری بےگناہی نے چھڑایا سر بسر

حاش للہ! تو نہ تھا باغی۔ یہ تھا سب افترا
جرمِ حبِ قوم کا بیشک تو ملزم تھا مگر!

حالی و قالی بہت ہیں یوں تو خیر اے وطن
شعرِ حالی صادق آیا ایک تیرے حال پر

"جورِ اخواں دیدن و در عشقِ اخواں زیستن
زخمِ پیکاں خوردن و در شوقِ پیکاں زیستن"

آسماں تھا جن دنوں ہندوستاں پر خشمگیں
بید آسا کانپتی تھی کانگڑے کی سرزمیں!

تھی جہاں بستی وہاں شہرِ خموشاں بس گیا
ہو گئے مٹی میں مٹی کیا مکاں اور کیا مکیں

آہ! لاکھوں گلبدن جب ہو گئے پس کر غبار
مسکنِ ہستی تلک پہنچے ہزاروں نازنیں!

بچ گئے تھے جو بچارے وہ مردوں سے بتر
آسماں کھینچے ہوئے سر پر کھڑا تھا تیغِ کیں

بھوک سے بیتاب کچھ کچھ تو [illegible]
کچھ مرے کچھ نیم بسمل اور مرنے کے قریں

تجھ سے یہ حالت نہ اپنے ملک کی دیکھی گئی
ہو گیا تیار خدمت کیلئے ڈٹ کر وہیں

تاثیرِ بے گناہی

فخرِ قوم شیرِ یمان لالہ لاجپت رائے کی رہائی

ہو رہے ہیں آج کیوں عشرت کے ساماں ہر طرف
جشنِ جمشیدی کے جلوے ہیں نمایاں ہر طرف

آ رہا واپس ہے کوئی رام کیا بن باس سے
ضو فگن بھارت میں ہے نورِ چراغاں ہر طرف

کس کے قدموں میں یہ آنکھیں بچھ رہی ہیں چار سو
اُگ اُٹھے خاکِ وطن سے نرگستاں ہر طرف

بلبلِ رنگیں نوا کوئی یہاں آنے کو ہے
آج ویرانوں میں ہے رنگِ گلستاں ہر طرف

آمد آمد آج ہے کس گل کی اے اہلِ چمن
آسماں پر چھا گیا ابرِ بہاراں ہر طرف

ہو رہی ہیں کس کے استقبال کی تیاریاں
ہیں کھڑے جوڑے بدل کر سرو و ریحاں ہر طرف

پھولی پڑتی ہے مسرت، جوش پر ہے انبساط
ہنس کے پیر و جواں پھرتے ہیں فرحاں ہر طرف

ماہِ کنعاں آج کنعاں میں ہوا ہے جلوہ گر
حسرتِ دیدار کے نکلیں گے ارماں ہر طرف

ہیں در و دیوار روشن، دیپ مالا بھی نہیں
یہ اُجالا چاند سورج کا اُجالا بھی نہیں

مژدہ اے لاہور! اے پنجاب! اے ہندوستان!!!
آسماں قسمت سے تم پر ہو گیا ہے مہرباں

وہ تمہارا چاہنے والا تمہیں پھر مل گیا
جس کی فرقت میں تمہارے لب پہ تھی آہ و فغاں

وہ تمہارا عاشقِ شیدا، تمہارا جاں نثار
جو تمہارے غم میں نکلا چھوڑ کر سب خانماں

جو سناتا پھرتا تھا حسرت بھری آواز میں
غیر ملکوں میں تمہارے درد و غم کی داستاں

کیوں ہمارے باغ میں بیگانہ وش ہے اے صبا
آ گیا پھر وہ امیدوں کے چمن کا باغباں

ہو کرم فرما ادھر بھی، کس طرف ہے اے بہار
چھ مہینے ہو گئے اب دور ہو اے فصلِ خزاں

چار آنسو

فخرِ ہند گوپال کرشن گوکھلے کی وفات پر

مانگ رہا تھا غیب سے جسکی بقا تمام ہند
سوگ میں آج اسکے ہی بزمِ عزا تمام ہند

بخت کی نارسائی سے چرخ کی کج ادائی سے
ہوگئی نارسا دریغ! تیری دعا تمام ہند

فخرِ زمانہ کون تھا آج جہاں سے چل بسا
وقفِ الم ہے اک جہاں محوِ بکا تمام ہند

مادرِ ہند کا سپوت پیکرِ حبِ اہلِ قوم
آج ہے داغ خوردہ سوزِ فنا تمام ہند

تیری جگر فگاریاں یاد رہینگی حشر تک
یاد کریگا فخر سے تجھکو ترا تمام ہند

ہند کے جو فدائی ہوں وہ نہ جئیں ہزار حیف
وقت سے پہلے چل بسیں گردشِ روزگار حیف

مرگِ لعیبۂ ہند ہے تیری وفات گوکھلے
زندگیٔ امید تھی تیری حیات گوکھلے

حبِ وطن کا آہ! تو مہرِ تابناک تھا
پھر وہی غم نصیب ہیں پھر وہی رات گوکھلے

اِستقلال وہ ترا، شانِ مدبری تری
لائینگے اب کہاں سے ہم نیک صفت گوکھلے

گرمِ سفر تھا کارواں اور میرِ کارواں
راہ میں آہ! پڑ گیا موت کے ہاتھ گوکھلے

ہم کو بھی راستہ کوئی تو نے دکھا کے جانا تھا
قطعِ رہِ عدم تو تھی بات کی بات گوکھلے

ہوگا وطن پہ آہ! اب تیری طرح نثار کون؟
تو ہی نہیں تو ہند کا بیڑا کریگا پار کون؟

راہِ نجات پوچھنے آئے ہیں دور سے
اِک نوجوانِ پیرِ طریقت سے ہند میں

راحت ملی کچھ ایسی کہ بس شادمت ہو گئے
فردوس پا کے تیری زیارت سے ہند میں

سرسبز ہو چلا تھا نہالِ امید پھر
اے ابرِ معرفت تری رحمت سے ہند میں

جس دن روانہ تو سوئے ملکِ بقا ہوا
وہ روز تھا زیادہ قیامت سے ہند میں

دِل کا دھواں نکل گیا فرقِ ہمالہ سے
گنگا کا سینہ چاک ہوا زورِ نالہ سے

تلک اور گوکھلے

خورشید اور قمر ہیں تلک اور گوکھلے
بھارت میں جلوہ گر ہیں تلک اور گوکھلے

سوزِ وطن ہے دونوں میں کیا بحث نرم و گرم
اِک آگ کے شرر ہیں تلک اور گوکھلے

فرزند یوں تو مادرِ بھارت کے بیشمار
دو پارۂ جگر ہیں تلک اور گوکھلے

دونوں کی دھوم ہمیشہ حُبِّ وطن میں ہے
واللہ شیرِ نر ہیں تلک اور گوکھلے

پُتلے ہیں دو تو جذبۂ ایثارِ نفس کے
قربانِ ہند پر ہیں تلک اور گوکھلے

ہوگی ضرور بھارتِ مجروح کو شفا
جب اسکے چارہ گر ہیں تلک اور گوکھلے

ہوگا طلوعِ نیّرِ اقبال ملکِ ہند
پرتوِ دہِ سحر ہیں تلک اور گوکھلے

(ق)

ہیں اپنی اپنی راہ پہ گرمِ روا روی
گویا دگر دگر ہیں تلک اور گوکھلے

دونوں کی ایک منزلِ مقصود ہے مگر
در اصل ہمسفر ہیں تلک اور گوکھلے

مہر و قمر ایک گرم ہے اور ایک نرم ہے
خورشید او قمر ہیں تلک اور گوکھلے

مرحلہ ایک، منزل ایک، ایک ہی جادہ سفر — کیسے بنائے ہیں یہ پھر آپ نے رہگزار دو
رستہ دکھا گئے تمہیں راہبرانِ نامجو
آن پہ جان دیجئے، چھوڑ گئے ہیں نام جو

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

(کی یاد میں)

شاید سُنی تھی تیرے دہن سے صدائے اوم — ہر موجِ آبِ گنگ ہی گاتی نوائے اوم
ہاں! آج تیرا جلوۂ مستانہ کیا ہو — او مستِ ساغرِ مئے مرد آزمائے اوم
مُردوں کو تو نے زندۂ جاوید کر دیا — بڑھکر صدائے "قم" سے تھی تیری صدائے اوم
کیوں رقص کر رہی ہیں ہمالا کی چوٹیاں — پھونکا ہے کس نے یہ دمِ مستی فزائے اوم
دی تو نے جانِ عشق میں منصور کی طرح — سُولی سے کم نہ تھا الف ابتدائے اوم
تقلید تیری راہِ حقیقت میں کس سے ہو — کس سے ادا ہوں تیری طرح نغمہ ہائے اوم
صلِّ علیٰ وہ صورتِ خاطر نشینِ رام — صد مرحبا وہ صوت، وہ طرزِ ادائے اوم
جلوے دکھائے تو نے وہ نور و ظہور کے
ظاہر ہوئے نشان ہمالا میں طور کے

وحدت کی شمع سرد تھی مدت سے ہند میں — کثرت طلسم پاش تھی کثرت سے ہند میں
اے رام تو نے آ کے اُجالا سا کر دیا — مشعل جلا کے نورِ حقیقت سے ہند میں
امریکہ والے ہو گئے تجھ پر فریفتہ — کھنچ کھنچ کے آئے تیری محبت سے ہند میں

بھارت کے کام لاکھوں اس سے بگڑ رہے ہیں
قومی ترقیوں کے پاؤں اُکھڑ رہے ہیں
نااتفاقیوں سے دو گھر اُجڑ رہے ہیں
اب بھی اگر نہ سنبھلے ہونگے خراب دونو

گورو گوبند سنگھ جی

ہائے وہ شورشوں کے دن آہ! وہ بیقراریاں
اہلِ ستم کی بڑھ گئیں حد سے جفا شعاریاں

مائلِ مشقِ کُشت و خون غیرِ سیاہ اندرُوں
صیدِ زبوں بنے ہوئے ہنرِ تشنہ خوں کُشاریاں

دشمنِ آبرو و ننگ آئینۂ وفا کو سنگ
طورِ تمام دل شکن کام سیاہ کاریاں

اِتنی مدید تاختن سے ہند غریب مضمحل
زخم پہ زخم ہائے ہائے! ابروز کی تیر باریاں

زیست سے موت ہی بھلی یہ بھی ہے کوئی زندگی
ذلّتیں جیسا ہوں نت نئی روز ہوں تازہ خواریاں

بابِ قبول بند تھا جبکہ دُعا کے سامنے
سُننے کو تھا نہ جب کوئی اہلِ وطن کی زاریاں

کون ہوا رفیقِ ہند؟ کس نے ہمیں نجات دی؟
ایسے میں کام آگئیں کس کی جگر فگاریاں؟

تازہ کُن وقارِ ہند یعنے گورو گوبند سنگھ
محسنِ نامدارِ ہند یعنے گورو گوبند سنگھ

مِلّت و مُلک پر کئے لختِ جگر نثار دو
ایسے گورو کے نام پر زندگی اپنی وار دو

شیروانِ محترم ایسے ہوئے ہیں آپ کے
"تاجورئ معرفت" جنکو ملے وقار دو

حُبِّ وطن کے ولولے دلمیں ہیں پست ہو گئے
گزرے ہوؤں کی یاد سے انکو ذرا اُبھار دو

سینچ گئے لہو سے جب گلشنِ ہند کو بزرگ
خونِ جگر کے رنگ سے تم بھی اسے بہار دو

چاہو اگر ہو کوئی کام تفرقے چھوڑ دو تمام
مِل کے بہم ہو جاؤ ایک پھر نہ ہو زینہار دو

مذہب خدا پرستی، مسلک تھا عارفانہ   دونو کی خوبیوں سے واقف ہے اک زمانہ
دونو سنانے آئے توحید کا ترانہ   بعضوں نے اُس کو سمجھا بعضوں کے اسکو جانا
دونو کا ایک منبع دونو کا اک دہانہ
ہیں ایک اول آخر راوی جنابِ دونو

اِک کارواں کے دونو سالار کارواں تھے   اور شاہراہِ حق پر دونو رواں دواں تھے
مثلِ جرس سراپا فریاد تھے فغاں تھے   دونو بسوئے منزل اک رہبرِ کشاں تھے
بیتابِ برق آسا دونو پئے جہاں تھے
غائب ہوئے دکھا کر جلوہ شتابِ دونو

دونو نے پائے سینے اِک نور سے منوّر   اِس محفلِ کہن میں دونو تھے جلوہ گستر
دونو تھے اپنے ہادی دونو تھے اپنے رہبر   تھے دونو لیکے آئے فیضِ ازل برابر
بھگتی کا ایک دریا۔ اِک گیان کا سمندر
کشتِ وطن پہ برسے بن کر سحاب دونو

دونو سے پیشتر تھا بھارت کا حال ابتر   نازل سماوی۔ ارضی آفات تھیں وطن پر
آئینِ پاک دیریں کا چشمہ تھا مکدر   بدعت شعار شاداں اور حق پرست مضطر
دونو نے آ بنایا بگڑا ہوا مقدر
قسمت کو پھیرنے میں تھے کامیاب دونو

باطل پرستیوں کو دونو نے آ مٹایا   وحدت کا ایک سیدھا رستہ ہمیں دکھایا
درسِ خدا پرستی جب سے ہمیں پڑھایا   پھر سامنے کسی کے کب ہم نے سر جھکایا
اُٹھتا نہ کیوں جہاں سے اے کفر تیرا سایہ
وحدانیت کے چمکے جب آفتاب دونو

دونو کے آج پیرو آپس میں لڑ رہے ہیں   کیوں حق کی آڑ لیکر ناحق جھگڑ رہے ہیں

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

اک جہاں شاد ہے لیکن ترا بھارت ناشاد — ٹوٹی رہتی ہے سدا کوئی نہ کوئی اُفتاد
نام لیوا ترے کرتے ہیں تجھی سے فریاد — آکے پھر کر دے ہمیں خوفِ فنا سے آزاد

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

شری گورو نانک دیو جی اور مہرشی سوامی دیانند سرسوتی

قدسی صفات دونو عالی جناب دونو — سرِّ خفی کے دانا عرفاں مآب دونو
دریائے معرفت کے دُرِّ خوش آب دونو — بھارت میں تھے درخشاں ماہ و آفتاب دونو
فیضِ ازل سے بیشک تھے بہرہ یاب دونو
اُپکار کر گئے ہیں یاں بےحساب دونو

جاں دادۂ رضا تھے سربازِ راہِ یزداں — آلائشِ جہاں سے دونو تھے پاک داماں
اہلِ جہاں کی خاطر جگ میں ہوئے نمایاں — دونو کی جھلکیوں سے روشن ہے چشمِ ایماں
دل در خیالِ دلبر جاں در ہوائے جاناں
تھے منزلِ فنا میں پا در رکاب دونو

دونو کا ایک مقصد اور ایک مدعا تھا — پیشِ نظر خدا تھا اور ہیچ ماسوا تھا
آغاز اک جگہ سے دونو کا سلسلہ تھا — وحدت کے دونو حامی تھے شرک ناروا تھا
باغِ قدس میں دونو کا آشیاں بنا تھا
اُڑتے جُدا جُدا تھے مثلِ عقاب دونو

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے آجا

ہند کو خاکِ ذلت سے اُٹھالے آجا
خاکساروں کو مصیبت سے بچالے آجا

ہوچکے ہم غمِ حرماں کے حوالے آجا
تیرے نغموں کے لیے اُٹھتے ہیں نالے آجا

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

پردۂ نے سے وہی سوز - وہی ساز دکھا
بجھ گئے دل، اثرِ شعلہ آواز دکھا

بن کے معشوقِ طرحدار کہیں ناز دکھا
اور کہیں عاشقِ جانباز کے انداز دکھا

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

سو گیا گھول کے جس نغمہ میں تو رازِ حیات
وائے قسمت! کہ ہے خاموش وہی سازِ حیات

اب کہاں ہند میں وہ گرمیِ آغازِ حیات
بخش دے آکے ہمیں پھر وہی اعزازِ حیات

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

برج بھومی وہی جمنا کا کنارہ ہے وہی
بن کے پھولوں کا دل آویز نظارہ ہے وہی

حسنِ قدرت کا سراپائے دل آرا ہے وہی
کس طرح کہیے کہ عالم بھی ہمارا ہے وہی

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

کس طرح کہیے کہ بھولے ہیں پیغام ترا
نقش سینوں میں ابھی تک ہے مگر نام ترا

پھر وہی ہم ہوں، وہی ہو کرمِ عام ترا
وعدہ پورا ہو پھر اے رہبرِ نسکام ترا

پھر کبھی ہند میں اے بانسری والے! آجا!

دھرم کی آگ جسے کہیے وہ سینوں میں نہیں
کیا ہوا نورِ ارادت؟ کہ جبینوں میں نہیں

جو امانت تھی تری - آج امینوں میں نہیں
بات اب وہ تری محفل کے مکینوں میں نہیں

مرتی اگر ہیں تجھ پر، کیا جرم گوپیوں کا   ان انکھڑیوں کے صدقے! عالم ہے رام تیرا
شمس و قمر کی گردش بے مدعا نہیں ہے   یہ ہیں طواف کرتے دونو مدام تیرا
ادنےٰ سا اک کرشمہ تیرے جلال کا ہے   ہلکا سا اِک تبسم ماہِ تمام تیرا
سینوں میں داغِ اُلفت تیرے دئے ہوئے ہیں   روزِ ازل سے جاری ہے فیضِ عام تیرا
جس پر نگاہ تیری محتاج پھر وہ کس کا   آزاد دو جہاں سے اِک اِک غلام تیرا
عالم کا ذرّہ ذرّہ کھچتا ہے تیری جانب   اُلفت کا سلسلہ ہے سارا نظام تیرا
تیری نظر جدھر ہے فتح و ظفر اُدھر ہے   بھاری ہے دو جہاں پر اک احتشام تیرا
بچپن میں تو نے میداں مارے دلاوری کے   پڑتا تھا ہفتخواں میں ہر ایک گام تیرا
آتا ہے دیرِ دل میں تو دلنواز ہو کر   ہر چند عرشِ عرفاں ہے صحنِ بام تیرا
کانوں میں بانسری کی آواز آرہی ہے   گیتا سنا رہی ہے دلکش پیام تیرا
اُس عہدِ اولیں کا ہے انتظار مجھ کو   جمنا کے ساحلوں پر جب تھا قیام تیرا
نورِ نظر بنا تھا جب تو گوالیوں کا   جب کھیلتے تھے باہم تو اور رام تیرا
سب نے نوازیوں سے تھا تو ستا دلوں کو   ہر گھر میں تیرا تذکرہ تھا جب صبح و شام تیرا

کچھ دردِ دل سناؤں تو مجھ سے کاش پوچھے
کس نے رکھا ہے، کیوں ہے؟ محروم نام تیرا

گردشِ ایام استقبال میں خطرے ہیں بہت
پھر ذرا پیچھے پلٹ، آرام پیچھے ہیں بہت

بڑھ چلے پھر راکھشس، پھر دیوتا کمیاب ہیں — ہند کے میداں لہو سے سر بسر سیراب ہیں
گرچکے ہیں کب سے ہم بامِ عروجِ قدس سے — آریاؤں کے فضائل اب خیال و خواب ہیں
وید کی عظمت دلوں سے اٹھتے اٹھتے اٹھ چلی — قصہ ہائے غیر کے پیشِ نظر ابواب ہیں
تجھ سے جو ورثے میں آئی تھی وہ سرمایہ کہاں — داخلِ حسنِ معیشت اجنبی آداب ہیں
پاکبازی بھی گئی، مشقِ ریاضت بھی گئی — شغل جو اب ہیں سو بربادی کے وہ اسباب ہیں
اس چمن میں آہ اب توحید کے گلبن کہاں — جھاڑیاں شرکت کی کچھ پروردۂ زہراب ہیں
آشنا بحرِ ازل کی قوم تھی اک نہر میں — اسکے بیڑے پر لپکتے اب کئی گرداب ہیں
کس کے پرتو نے دیا تھا جلوۂ حسنِ قدیم — تیری کرنیں تو وہی اے مہرِ عالمتاب ہیں
داستانِ اضطرابِ انچھڑ جائے کہیں — مختصر یہ ہے کہ ہم تجھ بن بہت بیتاب ہیں

آہ! جسرتھ سا یہاں کوئی شہ دیندار ہو
اور اس جسرتھ کے بھاگوں پھر ترا اوتار ہو

محبت کا اوتار

اے رہنمائے راہِ مقصود نام تیرا — خلوت سرائے دل میں نکلا مقام تیرا
ہر بیخودِ محبت، مستِ مئے حقیقت — کرتا ہے دھیان تیرا، جپتا ہے نام تیرا
ہر دور میں ہزاروں پی پی کے اٹھ گئے ہیں — اب تک چھلک رہا ہے محفل میں جام تیرا
وارفتہ ہیں جو تیرے سدھ کیا انہیں خودی کو — پتھر کی مورتوں سے لیتے ہیں کام تیرا

رام کے اُپدیش پر ناچار اُسکی واپسی
اور کھڑاؤں پر رام کی تمثال و دو پر دیکھتے

چھل گیا بن باسیوں کو اک چھلاوا بنکے تو
تجھ کو ہم فی النار اے آہوئے پُرزر دیکھتے

وہ فریب کارِ راون، وہ سیا کی زاریاں
آہ! اُن آنکھوں سے یہ دلسوز منظر دیکھتے

دیکھتے رستے میں راون سے جٹایو کی مصاف
آہ پھر نالاں سے مجبور و بے پر دیکھتے

کیا گزرتی ہوگی اُن غربت زدوں کو دل پہ حیف!
جب چلے رام و لچھمن سیتا کے زیور دیکھتے

ملکِ انگد کی طرف دونو کا پھر ہوتا گذر
طالعِ مسعود کو صحرا میں رہبر دیکھتے

ہائے غاصب کا بھی انجام کچھ آتا نظر
منتقل انگد کو بیماں پر برابر دیکھتے

قیدِ راون میں سیا کو دیکھتے زار و ملول
ماہ پہ چرخِ حسن کو کاہیدہ پیکر دیکھتے

پاس سیتا کے پہنچنا اُڑ کے وہ ہنومنت کا
جلتی لنکا کے شراروں کو ہوا پر دیکھتے

پھر وہ راون کے جزیرے پر چڑھائی رام کی
مستعدِ امداد پر صحرا کے بانر دیکھتے

پُل ہوا تیار جن کے دستِ فن سے بحر پر
کیسے چابکدست تھے وہ انجینئر دیکھتے

دیکھتے لنکا میں پھر ہنگامۂ جنگ و جدال
اور لنکا پت کا حال زار و ابتر دیکھتے

چاک کرتے اپنے ہاتھوں سے گریبانِ قرار
جب غشی میں آہ! لچھمن کو زمیں پر دیکھتے

شاد ہوتے جاں نثاری دیکھ کر بجرنگ کی
جانبِ زوں اسکو پیانِ جمل کہو تر دیکھتے

فوج راون کو ہزیمت خوردہ زار و دژم
رام کے لشکر کو منصور و مظفر دیکھتے

وہ برسنا رام کے تیروں کا ہنگامِ وغا
کانپنا راون کا وہ ہیبت سے تھر تھر دیکھتے

خاک و خوں میں دیکھتے راون کا جسم نا سعید
باپ کی لنکا کو مسمار و مسخر دیکھتے

بعدِ مدت دیکھتے سیتا سے رگھبر کا ملاپ
شہرِ لنکا میں قرانِ ماہ و نیّر دیکھتے

لوٹنا تینوں کا پھر ملکِ اجودھیا کی طرف
شاد اہلِ ملک اور آباد کشور دیکھتے

کچھ نہ دیکھا دہر میں، گر دیکھنا ہوتا نصیب
جلوۂ دربارِ شاہِ فیض گستر دیکھتے

دیکھتے دارائے کشور جبکہ پیارے رام کو
اپنے بھارت کے نصیبے کو سکندر دیکھتے

بند کیوں رہتی بہارِ حسن ہر میں دل کی کلی
جب تجھے شگفتگی میں خنداں ہر گلِ تر دیکھئے

دیکھئے ہر کوچۂ شہرِ اجودھیا میں بہار
پھول جیسے جابجا نقشِ پائے رہگیر دیکھئے

دیکھئے تیری جبیں پر عالمِ نورِ ظہور
جانبِ شمس و قمر کیوں آنکھ اٹھا کر دیکھئے

پھر جوانی میں تو ہوتا ماہرِ تیر افگنی
امن کی صورت ترے دم سے کشور دیکھئے

رام کے سر جسمیں سہرا سرِ تاجوری کا رہا
دھوم ہے جسکی وہ سیتا کا سوئمبر دیکھئے

دیکھئے سامانِ جشنِ تاجپوشی کو بہ گو
راجدھانی میں خوشی کا رنگ گھر گھر دیکھئے

ساعتِ مسعود کا اور رام کا وہ انتظار
دیکھئے سیتا کو ہر دم جانبِ در دیکھئے

آئینہ بندی کا حکمِ عام ہوتا شہر میں
کیکئی کا دل مگر وائے مکدر دیکھئے

اک طرف جی کا ضرر اور اک طرف پاسِ وفا
اضطرابِ خاطرِ شاہِ معمّر دیکھئے

دیکھئے پھر رام کے بن باس کی تیاریاں
انقلابِ روزگارِ فتنہ پرور دیکھئے

سنتے جی کو تھام کر اہلِ اودھ کی زاریاں
کوچہ و بازار میں سامانِ محشر دیکھئے

دیکھئے ماتا کوشلیا سے جدائی رام کی
ماتا کے سینہ پر فرقت کا خنجر دیکھئے

دیکھئے اعجازِ الفت کے کرشمے ہر طرف
رام کی خدمت میں لچھمن کو برابر دیکھئے

اور ہمراہی کی خاطر آہ! وہ سیتا کی ضد
روئے رشکِ ماہ پر اشکوں کی چادر دیکھئے

سوئے صحرا کیوں نکل جاتے نہ کپڑے پھاڑ کر
جوگیا جب بر میں شہزادوں کے دستر دیکھئے

منتوں سے ہم بھی کرتے واپسی کی التجا
آزمانے بخت کو رنگِ مقدر دیکھئے

خار خارِ دشت پیمائی کہاں اور وہ کہاں
تارِ بستر کو جو مثلِ خارِ بستر دیکھئے

مرگِ جسرتھ پر جو کرتے نالہائے دلخراش
کثرتِ غم سے بھرت کا حال ابتر دیکھئے

اس کا رونا اور بلکنا آہ! وہ رنواس میں
بارشِ تیرِ ملامت کیکئی پر دیکھئے

عزمِ صحرا رام کی خدمت میں ماتاؤں کے ساتھ
خاک اڑاتا بن میں اک لشکر کا لشکر دیکھئے

باہزاراں شوق آخر جا کے ملنا رام سے
پائے اقدس پر وہ اس کا دیدۂ تر دیکھئے

عرضِ حال

(مریادا پرشوتم شری رامچندر جی مہاراج کے حضور میں)

موہنی مورت تری ہر دل کے صنم خانے میں ہے
تو ہے دل میں یا چراغِ طور کاشانے میں ہے

تیرے ہی جلووں سے اے شمعِ سرِ راہِ ہدا
ایک بیتابیٔ دلکش ہجان کے پروانے میں ہے

تیرے فرزانوں نے پایا عشق جس کا نام ہے
عقل کہتے ہیں جسے وہ تیرے دیوانے میں ہے

جو سرورِ جانفزا بخشا تصور نے ترے
وہ نہ ساغر میں نہ مینا میں نہ پیمانے میں ہے

وہ کتابِ پاک ذکرِ خیر جس میں ہے ترا
گنجِ راحت گویا دنیا کے ویرانے میں ہے

روح کو ملتے ہیں کیا کیا خوابِ جنت کے مزے
کس قدر تاثیرِ تسکیں تیرے افسانے میں ہے

نام تیرا سن کے ہوتا رام ہے قلبِ رواں
حاصل اک اعجاز تجھکو دل کے ٹھہرانے میں ہے

اے عزیزِ این و آں اے مایۂ آرامِ جاں
ذکر سو عزت سے تیرا اپنے بیگانے میں ہے

گنگا جمنا بھی وہی ہیں اور اجودھیا بھی وہی
پھر تامل اس قدر کیوں جلوہ فرمانے میں ہے

چھب دکھا دے پھر ہمیں اے آرزوئے چشم و دل
دم قدم سے ہو ترے آباد کوئے چشم و دل

کاش! ہم بھی رامِ تیرا روئے انور دیکھتے
چترِ شاہی سایہ افگن تیرے سر پر دیکھتے

تیرے قدموں سے نہ گھستے کیسے چشم و جبیں
مدعی جب تجھ میں خوئے داوصاف اور دیکھتے

تیرے اندازِ جمالی و جلالی کی قسم
دیکھتے کچھ پیار سے اور کچھ جھجک کر دیکھتے

مدعا بینائی کا حاصل جبھی ہوتا کہ ہم
تجھ کو ان آنکھوں سے اک خوبی کا مظہر دیکھتے

یا تو ہو جاتا ترا دوران کل جگ میں ظہور
یا ہمیں تریتا میں اپنے تجھکو جا کر دیکھتے

کہ اک دوسرے سے محبت تھی اُن کو

عدالت میں وہ کس لئے بھاگے جاتے ۔ بھلا کس لئے جھوٹے شاہد بناتے
وہ کیوں گالیاں اہل قانوں کی کھاتے ۔ عبث کس لئے اپنی عزت گنواتے

بناء دھرم پر ان کے بیوہار کی تھی
ہر اک کام میں رہنما راستی تھی

اہنسا کے پابند دھرم آتما تھے ۔ صداقت کے پتلے تھے اور بے ریا تھے
بتاتی ہے دُنیا کہ وہ لوگ کیا تھے ۔ بظاہر وہ انساں تھے پردیوتا تھے

اِنہی کی ہیں اے وائے! اولاد ہم بھی
زمانے میں ہیں ننگِ اجداد ہم بھی

نہ تھے رِند رسوا نہ میخوار تھے وہ ۔ نہ عیاش تھے وہ نہ بیمار تھے وہ
نہ تھے چور رہزن نہ بدکار تھے وہ ۔ تھے نیکو رَوِش نیک اطوار تھے وہ

لگاتا نہ تھا قفل کوئی دروں کو
کھلا چھوڑ جاتے تھے اپنے گھروں کو

تھا دُنیا میں جس وقت دورِ غلامی ۔ وہ آزادیٔ ہر بشر کے تھے حامی
وہاں سرفرازی یہاں نیکنامی ۔ رہے دونو عالم میں یعنے گرامی

بلندی وہ ان کی یہ پستی ہماری
نہ ہونے سے بدتر ہے ہستی ہماری

پہنچے افلاک پہ میری صدا
بھارت جاگا! بھارت جاگا!

اگلے ہندو

بہت نیکدل تھے بہت نیک خو تھے | جری تھے بہادر تھے پر صلح جو تھے
وطن کے لئے مخزن آبرو تھے | پئے گلشن ہند وہ رنگ و بو تھے

گلوں سے ہے جس طرح رونق چمن کی
یونہی ان کے دم سے تھی زینت وطن کی

وطن پر وہ تھے جاں فدا کرنیوالے | نہ تھے جاں کی پروا ذرا کرنے والے
نہ تھے جنگ میں ابتدا کرنیوالے | مگر بعد میں انتہا کرنے والے

کبھی اُن کو میداں سے ٹلتے نہ دیکھا
کہ پائے عزیمت پھسلتے نہ دیکھا

جو ہوتی تھی رن میں شمشیر بار ہندی | تو ہوتی تھی دشمن کو فی النار ہندی
دکھاتی تھی محشر کے آثار ہندی | سُنا ہے کہ تھی سخت خونخوار ہندی

گئے مان یونان کے مرد لوہا
نہ تھا تیغ ہندی کا یوں سر دلوہا

نہ رکھتے تھے وہ کین و پیکار باہم | نہ ہوتی کبھی کوئی تکرار باہم
ملے جب کبھی یار و اغیار باہم | رہا بھائیوں کی طرح پیار باہم

عدالت میں جانے سے نفرت تھی انکو

پھر ہند ہوا ہے رشکِ جناں — ہے صحنِ چمن سے دُور خزاں
مل جل کے طیور ہیں نغمہ سرا
بھارت جاگا! بھارت جاگا!

پھر ہم کو وطن سے پیار ہوا — پھر تن من اُس پہ نثار ہوا
پھر بخت ہمارا یار ہوا — پھر بیڑا اپنا پار ہوا
ہر فردِ بشر پھر گانے لگا
بھارت جاگا! بھارت جاگا!

آئی یکساں جھپتی، پھوٹ گئی — حسّاد کی قسمت پھوٹ گئی
ہمت اب یاس کی ٹوٹ گئی — یا بس اپنی چھاتی کوٹ گئی
اُمید نے آکر مژدہ دیا
بھارت جاگا! بھارت جاگا!

کب بھارت والے کاہل ہیں — سب کام پہ اپنے مائل ہیں
سب دانا ہیں، سب عاقل ہیں — اور فضلِ خدا سے کامل ہیں
دو دن میں پلٹتی ہے کایا
بھارت جاگا! بھارت جاگا!

اب نیند کہاں وہ غفلت کی — حالت کچھ اور ہے بھارت کی
باندھی ہے کمر پھر ہمت کی — چھوٹی ہے اُلفت راحت کی
منزل کا پتہ ہے پوچھ رہا
بھارت جاگا! بھارت جاگا!

اللہ اثر دے نالوں میں — اور آہ کے برچھوں بھالوں میں
شامل ہوں مُلبہ خیالوں میں — بھارت کے جگانے والوں میں

شعلۂ اُمید

جلوۂ صبح یقینی ہے شبِ تار کے بعد | دَورِ اقبال ہے ہر قوم کو اَدبار کے بعد
قافلہ والے اِسی امید پہ ہیں گرمِ سفر | منزلِ عیش ہے قطعِ رہِ پُرخار کے بعد
چھوڑ مت دامنِ اُمید مصائب میں کبھی | دستِ گلچیں میں ہے گُلِ تر خلشِ خار کے بعد
موت آزارِ دل و جاں ہے بظاہر لیکن | زندگی اور بھی ہے موت کے آزار کے بعد
قابلِ رحم تو ہو جائے دلِ غمدیدہ | نگہِ لطف بھی ہو گی ستمِ یار کے بعد
جہدِ ہستی سے نہ گھبرا کہ نمایاں ہو گا | دورۂ امن و اماں گرمیٔ پیکار کے بعد

شعر تیرے بھی دل آویز ہیں محرومؔ مگر
کیا لکھے گا کوئی اقبالؔ کے اشعار کے بعد

بھارت جاگا

تاریکیٔ عالم دُور ہوئی | کافورِ شبِ دیجور ہوئی
دُنیا ساری پُرنور ہوئی | خلقت جاگی، مسرور ہوئی

مشرق مغرب میں شور مچا
بھارت جاگا! بھارت جاگا

پھر صبحِ وطن ہے خندہ کناں | پھر شامِ وطن ہے مُشک فشاں

ترانۂ اُمید

وہ دن بھی نہیں ہیں دور کہ جب بھارت کا ستارہ چمکیگا
دیکھے گا مغرب مشرق کو جب بخت ہمارا چمکے گا!

پھر ہند میں شاہدِ حبِّ وطن کا روئے دلارا چمکے گا
ہاں جلوۂ حسنِ قدیمی سے وہ پایۂ اشارا چمکیگا

جس سے کہ دلوں میں سوز رہا جو چشم میں اشک فروز رہا
دیکھیں گے ہم اپنی آنکھوں سے پھر وہ ہی شرارا چمکیگا

وحدت کا نور ہمالا پر برسے گا رحمتِ باری سے
پھر اک دن پرتو معنی سے گنگا کا کنارا چمکے گا

پھر اوجِ سپہرِ قومی پر اقبال کے تارے نکلے ہیں
کہتے ہیں منجمِ دنیا کے یہ دیش دوبارا چمکے گا۔

مصنوعی تری تہذیب ہے یہ اے مغرب اس پر ناز نہ کر
تارے کی طرح گو اوج پہ ہو کیا خاک غبارا چمکے گا

محروم رہیں گے کب تک ہم؟ مغموم رہیں گے کب تک ہم؟
دلِ شاد ہو اب اے اہلِ وطن بھارت کا ستارا چمکے گا۔

ساحتِ ہندوستاں پر سایۂ شاہجہاں ابرِ نیساں کی طرح گوہر فشاں ہو جائیگا
آسماں پر پرچمِ اقبال لہرائےگا پھر پھر بلند اپنا زمانے میں نشاں ہو جائیگا
تازہ و سرسبز اپنی دیکھ کر کشتِ مراد چہرہ بدبیں مثالِ زعفراں ہو جائیگا
اہلِ عالم نام پھر عزت سے لینگے ہند کا پھر یہ بھارت باعثِ فخرِ جہاں ہو جائیگا
شرق میں اور غرب میں آکاش ہر پاتال میں چار سو ہندوستاں ہندوستاں ہو جائیگا
تفرقے کو میٹ دیگا دستِ رسمِ اتحاد اور ہر اک فرقہ یکدل۔ یکزباں ہو جائیگا
جائینگے سب اپنے بیگانوں کی محتاجی سے چھوٹ دَور دورہ جب سودیشی کا یہاں ہو جائیگا
کون پھر ہمکو کریگا مُردہ قوموں میں شمار جب ہمارا دم قدم ہستی کی جاں ہو جائیگا
اپنی حرفت اپنا کام۔ اپنی تجارت اپنا مال ہر خرابہ پُر ز گنجِ شائیگاں ہو جائیگا
کار رواں ہو گا جب اپنا رہروِ راہِ عروج آسماں پر خطِ جادہ کہکشاں ہو جائیگا
اے خنک وہ عہدِ فرخ جب سراپا پیارا وطن خوش نصیب و نیکبخت و کامراں ہو جائیگا
ملک ہو جائیگا ایسا۔ قول ہے اپنا درست پھر غلط گہ ہے جنیں گا ہے جناں ہو جائیگا

آ بسے گی فارغ البالی ہمیشہ کو یہاں
اس چمن میں پھر نہ بھولے سے بھی آئیگی خزاں

جلوۂ امید

گلشنِ ہندوستاں میں پھر بہار آنیکو ہے   رنگِ نو سے لالہ و گل پر نکھار آنیکو ہے
اور بھی چل جم کے تو اے صرصرِ آہِ سحر   ظلمتِ غم کی گھٹا میں انتشار آنیکو ہے
ہاں ذرا کچھ اور بھی اونچا ہو اے تیرِ دعا   خود اجابت ہو چلی بے اختیار آنیکو ہے
سوزِ حبِّ قوم میں دل! اور بھی جل شمع سا   کامیابی تجھ پہ اب پروانہ وار آنیکو ہے
اے سرِ شیدِ وفا تھم۔ اے مستِ ملک اے گو کبھے   سجدۂ عز و جاہِ قومِ بے وقار آنیکو ہے
خونِ دل۔ خونِ جگر سے سینچکر جس نخل کو   تم نے پالا تھا۔ اب اس میں برگ و بار آنیکو ہے
سعیِ ہمت کے چلیں دو چار چپو اور بھی   کشتیٔ طوفاں زدہ نزدِ کنار آنیکو ہے
ہے سرور انگیز کیسا بادۂ حبِّ وطن   ہاتھ میں ہے جام آنکھوں میں خمار آنیکو ہے
کس قدر مستی فزا ہے جلوۂ صبحِ امید   نیرِ اقبال تا نصف النہار آنیکو ہے
مژدہ باد اے دیدۂ نظارہ جو تیار ہیں!   شاہدِ صنعت کے جوبن پر ابھار آنیکو ہے
اے جہالت دور ہو۔ کافور ہو۔ ہٹ بھاگ جا!   علم کی دیوی کیے سولہ سنگار آنیکو ہے
اے تعصب۔ جا کہیں ماوا و ملجا ڈھونڈ لے   تجھ پہ آفت ہند میں اے نابکار آنیکو ہے
ہے کشاکش اس قدر آپس میں کیوں اے ہم وطن   غیب کے پردے سے کچھ بر روئے کار آنیکو ہے

ٹل گئی سر سے نحوست دن گئے افلاس کے
پھر فضائے دل میں ڈیرے آ گئے ہیں آس کے

ملک اپنا رشکِ صد گلستاں ہو جائیگا   اور صیادِ فلک خود باغباں ہو جائیگا
اک نگاہِ التفاتِ قیصرِ ذی جاہ سے   دیش یہ اجڑا ہوا رشکِ جناں ہو جائیگا

(٦)

واپس چوپائے - چرواہے کھیتوں سے گھروں کو آتے ہیں
گھنٹی کی صدا سے - گانوں سے کیا دِل کو لوٹے جاتے ہیں

(٧)

شمعِ نورانی کے جویا جمگھٹ نِکلے پروانوں کے
دِکھلاتے ہیں لطفِ چراغاں کا جگنو تیرے میدانوں کے

(٨)

کیا کہنا اس کے ترنم کا ندی جو رواں میدان میں ہے
موقوف ہے جوشِ تلاطم کا گویا یہ گہرے دھیان میں ہے

(٩)

اے شام! یہ مطلع صاف ترا اور جگمگ اِس پہ ستاروں کی
دلکش یہ فضا - یہ ٹھنڈی ہوا اور خوشبو اس میں بہاروں کی

(١٠)

اے شامِ وطن! گیسو تیرے ہیں جب سے وقفِ پریشانی
افسردہ ہیں دِلجو تیرے رہتے ہیں رہینِ حیرانی

(١١)

اے کاش! کبھی اے شامِ وطن تو شاد ہو گردشِ دوراں میں
آنکھوں سے دورِ جامِ وطن پھر دیکھیں تیری شبستاں میں

کشمیر سے راس کماری تک　　بزمِ قدرت میں ہلچل ہے
پھولوں کی مہک بلبل کی چہک　　ہر اک جنگل میں منگل ہے

شامِ وطن

(۱)

کیا سانولی صورت ہے تیری　　اے شامِ وطن! اے شامِ وطن!
کیا موہنی مورت ہے تیری　　اے شاہدِ لیلیٰ فامِ وطن

(۲)

ہاں صبحِ ازل سے شامِ وطن!　　سودا ہے تیری ملاحت کا
پہلو میں دلِ شیدائے کہن،　　پروانہ ہے شمعِ الفت کا

(۳)

کیا خوب کھلایا قدرت نے　　رنگیں یہ ترا گلزارِ شفق،
اور ہمکو بنایا قدرت نے　　سرمستِ مئے گلنارِ شفق،

(۴)

دنیا میں برائے قلبِ تپاں　　تسکین ترے آغوش میں ہے
آرامیدہ دل کا ارماں　　تیری بزمِ خاموش میں ہے

(۵)

پُرنور ہیں نورِ مسرت سے　　ہر اک گاؤں میں جھونپڑیاں
دکھلاتی ہیں نقشے محلوں کے　　تیری چھاؤں میں جھونپڑیاں

جب ہم بستر سے شاد اُٹھے — خنداں اور فرحاں تو آئی
جب کشتۂ تیغِ ملال ہوئے — با چاکِ گریباں تو آئی

(۵)

جذباتِ وفا و اُلفت کو — کرتا ہے قوی تر دم تیرا
اِکسیر ہے دِل کی جراحت کو — یہ کافوری مرہم تیرا

(۶)

پروازِ تخیّل نے اُڑنا — سیکھا ہے تیری فضاؤں میں
بو باس ہے جنّت کی گویا — کیا لُطف ہے تیری ہواؤں میں

(۷)

دِلدادہ نئے نظّاروں کے — پھرتے ہیں کہیں مارے مارے
ہم دیکھ رہے ہیں گھر بیٹھے — منظر نِت سے پیارے پیارے

(۸)

تیرے جلووں نے طلائی کیا — تاجِ سیمیں ہِمالا کو
تو نے زرکش ملبوس دیا — ندی نالوں کو، دریا کو

(۹)

کِس درجہ بھرا ہے سوزِ ازل — ناقوس کے گہرے نالوں میں
فریاد کُناں ہیں گجر بیکل — گویا شمبھو مہیش بھی ہے شوالوں میں

(۱۰)

اوم! اوم کے نغمے گونج اُٹھے — گنگا، جمنا کے کناروں سے
کوئل کے الاپ وہ درد بھرے — پھر اُٹھنے لگے گلزاروں سے

(۱۱)

بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

حُبِّ وطن ہو اہلِ وطن میں — دِل میں، جگر میں، جان و تن میں
اُلفتِ وطن کی ہو مرد و زن میں — تھی جس طرح سے دورِ کہن میں

بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

اہلِ وطن سب کینے بھلائیں — اِک دوسرے کے دِل میں سمائیں
یارب وہ دِن بھی بھارت میں آئیں — ہندو مُسلمان مِل کر یہ گائیں

بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

صُبحِ وطن

(۱)

شیدائی دلِ بیتاب ترا — جاں تجھ پہ نثار اے صبحِ وطن!
کیا دِلکش ہیں، کیا روح فزا — تیرے انوار، اے صبحِ وطن!

(۲)

جب اوّل اوّل آنکھ کھلی — اپنی دُنیائے فانی میں
تسکینِ دلِ معصوم ملی — تیرے روئے نورانی میں

(۳)

تو بچپن سے ہے رفیق اپنی — دِلسوز ہے تو، دمساز ہے تو
ہر حالت میں ہے شفیق اپنی — ہمدم ہے تو، ہمراز ہے تو

(۴)

بھارت کی جے ہو

حُبِّ وطن کی ساغر میں مے ہو! پھر میگساری ہو، پے بہ پے ہو!
محفل میں بربط ہو یا کہ نے ہو! جو کچھ ہو اس سے پیدا یہ لے ہو!
بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

بھارت میں آئے پھر وہ زمانہ ہے ذکر جس کا مثلِ فسانہ
پھر سوئے عظمت ہم ہوں روانہ سب کی زباں پر ہو یہ ترانہ
بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

بھارت کی جے ہو سارے جہاں میں ہو اس کا چرچا کون و مکاں میں
چمکے سُدیشی ہندوستاں میں گاتے پھریں ہم اپنی زباں میں
بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

بھارت کو کر دے آباد، یارب! بھارت نواسی ہوں شاد، یارب!
ہوں علم و فن میں اُستاد، یارب! اور مفلسی سے آزاد، یارب!
بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو

ہوں دور یارب! دشواریاں سب دشمن کا حصّہ ہوں خواریاں سب
بیکار ٹھہریں بیکاریاں سب بھارت سے نکلیں بیماریاں سب
بھارت کی جے ہو! بھارت کی جے ہو!

بھارت پہ برسے بارانِ رحمت ہم پر ہو دائم احسانِ رحمت
بندے ہیں تیرے خواہانِ رحمت یارب دکھا دے پھر شانِ رحمت

اوم

کلامِ محروم

حصّہ دوم

دُعا

اے خداوندِ مہ و مہر! دُعا ہے تجھ سے
اخترِ ہند کو ہم اوجِ ثریا کر دے

رُوم و یوناں میں گئی روشنی جس مشعل کی
پھر اُسے نُور دہِ دیدۂ دُنیا کر دے

ہمکو گر بخشی ہے جاوید عطا کی تو نے
اپنے الطاف پہ اک اور اضافہ کر دے

قعرِ پستی سے نکلنے کو ہیں بیتاب بہت
غیب سے خود کوئی سامان مہیا کر دے

حالت اپنی ہے عیاں تجھ پہ یہ کہنا ہے فضول
ہمیں اس طرح بتا دے، ہمیں ایسا کر دے

داغِ اُلفت سے بہارِ چمنِ ہند تھے
دِل کے ہر پھول کو ہم رنگ ہزارا کر دے

یہی سینے تری توحید کے آئینے تھے
عکس سے اپنے اُنہیں پھر متجلا کر دے

رام و لچھمن کی جبیں میں جو کبھی روشن تھا
پھر اُسی نور کے جلووں کو ہویدا کر دے

صومعے رشیوں کے تاریک نظر آتے ہیں
پھر ہمالا کی گپھاؤں میں اُجالا کر دے

۲۶	تاثیر بے گناہی	شعر ۲ مصرع اولے	بن باس ہے	بن باس سے
۲۷	"	شعر ۱۲ مصرع اولے	جان	جاں
		شعر ۱۴ مصرع ثانی	زمین	زمیں
"	"	شعر ۱۷ مصرع ثانی	کیمن	کمیں
"		شعر ۱۹ مصرع ثانی	قرین	قریں
۲۸	"	شعر ۲ مصرع اولے	آگئے	آگے
"		شعر ۱۰ مصرع ثانی	نان	ناں
۲۹	"	شعر ۱۲ مصرع ثانی	چین	چیں
۳۰	لالہ سرج	شعر ۲ مصرع اولے	دیش	دیش
۳۶	رشن کماری	شعر ۲ مصرع اولے	رعنائے	رعنائیے
"	"	شعر ۷ مصرع اولے	پردہ	پردۂ
"	"	شعر ۱۰ مصرع ثانی	موقوف	موقوف
۳۹		بند ۵ شعر ۱ مصرع ثانی	جاؤ	جا
۴۰		شعر ۴ مصرع اولے	بھیٹے	بیھٹے
"	جشن چراغان	شعر ۵ مصرع اولے	زمین	زمیں
۴۹		شعر ۱۰ مصرع ثانی	دوران	دوراں
۵۰	نوید بسنت	بند ۱ شعر ۱ مصرع ثانی	جلوہ	جلوۂ
۵۳		شعر ۲ مصرع اولے	کمیت	کھیت
۵۵	فریاد یتیم	شعر ۱۱ مصرع ثانی	یر	پر
"	"	شعر ۱۴ مصرع ثانی	آہِ	آہ
۵۷		شعر ۱۳ مصرع ثانی	مونس کوئی	مونس نہ کوئی
"	غزل	شعر ۲ مصرع ثانی	بیران	بیکراں
۵۹		شعر ۹ مصرع ثانی	عذابِ	عذاب
۶۹		شعر ۵ مصرع اولے	شایانِ	شاہانِ

فہرستِ مضامینِ کلامِ محروم

حصۂ دوم

اوم

کلام محروم

حصہ دوم

(یعنی)

لالہ تلوک چند صاحب محروم کی قومی ملکی اور تاریخی

نظموں کا مجموعہ

سنہ ۱۹۱۹ء

میں

لالہ منی رام - کاٹرہ - بی۔ اے نے

لال شیم پریس لاہور میں باہتمام لالہ کرم چند بہل

چھپوا کر شائع کرایا

دفعہ اول — تعداد جلد ۱۰۰۰ — قیمت بارہ آنہ